وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ
وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ

رسالہ ۰۰۰
زیر سرپرستی حضرت قائم آل محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام

محرم نمبر

رضاکار لاہور

جلد ۷	یکم جنوری سنہ ۱۹۴۴ء - ۷ محرم ۱۳۶۳ھ	نمبر ۱-۲-۳

تیغ لا چوں از میاں بیروں کشید
از رگ ارباب باطل خوں کشید

نقش الا اللہ بر صحرا نوشت
سطر عنوان نجات ما نوشت

علامہ اقبال مرحوم

ایڈیٹر شیخ محمد صدیق بی اے

قیمت [illegible]

(۱) رضاکار ہر انگریزی مہینے کی یکم۔ ۸۔ ۱۶۔ ۲۴ کو التزاماً شائع ہوجاتا ہے۔ اور نہایت احتیاط سے حوالہ ڈاک کیا جاتا ہے (۲) پرچہ موصول نہ ہونے کی اطلاع جلد از جلد اسی ہفتہ میں دینی چاہیئے۔ ورنہ پرچہ دوبارہ ارسال خدمت نہ ہوسکے گا۔ (۳) تبدیلی پتہ کی اطلاع تاریخ اشاعت سے پہلے دفتر میں آجانی چاہیئے۔ (۴) جس ماہ خریداری کا چندہ ختم ہوتا ہے۔ خریداران حضرات کو بذریعہ کارڈ اطلاع دی جاتی ہے۔ (۵) چندہ سالانہ مبلغ پانچ روپے ہے۔ چندہ بذریعہ منی آرڈر بھیجنے میں خریدار کو کفایت اور منتظمین کو سہولت ہوتی ہے۔ (۶) وی پی طلب کرنے کے بعد اسے وصول نہ کرنا ادارہ کو بلا جرم سزا دینے کے مرادف ہے۔ (۷) منی آرڈر کرتے وقت اپنا پتہ پورا اور صاف لکھئے۔ (۸) آپ اپنا تعارف نمبر خریداری کے ذریعے ہی کرا سکتے ہیں۔ اس لئے اس نمبر کا حوالہ دینا نہ بھولئے ورنہ ہمیں بے حد دقت اور آپ کو ناواجب شکایت ہوگی۔ (۹) "رضاکار" کوئی تجارتی ادارہ نہیں۔ بلکہ ملت حقہ جعفریہ کے اجتماعی مقاصد کی نشر و اشاعت کا ذریعہ ہے۔ اس لئے اس سے اشتراک عمل اور معاونت ایک ملی خدمت ہے۔ (۱۰) جوابی امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنے ضروری ہیں۔ ورنہ آپکو ناواجب شکایت ہوگی۔ (۱۱) خوش معاملگی کی استواری کی بنیاد یہ ہے کہ فریقین ہر وقت خدا کو اپنے درمیان رکھیں۔

اِدھر دیکھئے ⟵ میں ہوں رضاکار لاہور

میری غرض اشاعت یہ ہے۔ (۱) کہ میں آپکے قومی و ملی حقوق کا محافظ و نگران ہوں۔ (۲) کہ میں باہمی پارٹی بازیوں اور ہر قسم کے تخریبی اقدامات سے الگ رہ کر مذہب و ملت کی ٹھوس خدمات سرانجام دوں۔ (۳) کہ میں مذہب حقہ کی تبلیغ و اشاعت کروں اور آپکے اندر حرارت ایمانی کو قائم رکھوں۔ (۴) کہ میں آپکے سامنے قوم کی تنظیم و ترقی کیلئے تجاویز پیش کروں اور جو تجاویز رہنمایان قوم صادر فرمائیں۔ ان پر عمل پیرا ہونے کیلئے افراد قوم میں متواتر پروپیگنڈا کر کے ان کو تیار کروں۔ (۵) کہ میں آپکی مجلسی معاشرتی و اقتصادی، قومی و اجتماعی زندگی سنوارنے کیلئے قوم کے سامنے کوئی مفید لائحہ عمل پیش کروں۔ (۶) کہ میں شیعوں میں اپنے حقوق کی حفاظت کے جذبات پیدا کرنے کیلئے ان میں سیاسی شعور پیدا کرنیکی سعی کروں۔ (۷) کہ میں تجارت، صنعت و حرفت کی طرف افراد قوم کو توجہ دلاؤں۔ (۸) کہ میں آپ کو آپکی قومی و دنیا کے حالات سے باخبر رکھوں۔

لیکن میں یہ تمام خدمات صرف اسی صورت میں سرانجام دے سکتا ہوں اگر آپ میری طرف توجہ فرمائیں۔ اور مجھے اپنی سرپرستی میں لیں۔ (رضاکار)

رضاکار کا مطالعہ سچا دینی جوش، قومی و سیاسی شعور پیدا کرتا ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد ۱، نمبر ۱

ہفت روزہ
رضاکار لاہور

حسینی سوگوارو! اپنے عمل سے ظلم و استبداد اور فسق و فجور کی بنیادیں ڈھا دو!

ادارہ

افق دل پر غم و اندوہ کی گھٹائیں چھا رہی ہیں۔ چہروں پر اداسی برس رہی ہے ہر جگہ ہر مقام پر یا حسیناؑ وا حسیناؑ کی جگر شگاف صداؤں سے ماہ عزا کا استقبال کیا جا رہا ہے۔ ہاتھ مصروف ماتم، زبان مشغول نوحہ و شیون ہے آنکھیں اشکوں کے موتی سلک عقیدت میں پرو کر شہدائے طف کے دربار میں پیش کر رہی ہیں۔ اور ایک عالم اکسٹھ ہجری کے سانحہ ... سے متاثر ہو کر حسینیؑ یاد تازہ ... کر رہا ہے۔

حسین علیہ السلام کی ... شہادت کوئی ہنگامی کارنامہ ... نہ تھا۔ جو دب کر رہ جاتا اگرچہ ... عراق کے ریگستان میں آبادی ... سے بہت دور انہیں شہید کر کے ... یہ سمجھ لیا گیا تھا کہ استبداد دھر اس واقعہ ... کی یاد کو دلوں سے محو کر دے گا۔ مگر زمانہ کے انقلابات اس حادثہ پر پردہ ڈالنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ جابر حکومتوں نے ظلم کی پاسداری میں اس مظلوم کے ذکر کو دبانے کی کیا کیا کوششیں نہ کیں۔ تحرم علی الواعظ روایۃ مقتل الحسن والحسین کی آوازیں بلند کی گئیں۔ حسینیؑ نام لیواؤں پر طرح طرح کے تشدد کئے گئے۔ قبر مطہر کی طرف رخ کرنے والوں کے ہاتھ کاٹے گئے۔ محبت کا دم بھرنے والے پابجولاں قید خانوں میں ڈالے گئے۔ مگر کوئی قوت حسینیؑ تذکرہ کو نہ مٹا سکی۔ اور نہ سلطنت امیہ اور عباسیہ کا طویل دور اسے دبا سکا۔ آج وہ چٹیل میدان جہاں فرزند رسولؐ اور ان کے مقدس انصار کے لاشے چھوڑ دیئے گئے تھے مسجود خلائق بنا ہوا ہے۔ جس مختصر سی قبر پر ہل چلایا گیا تھا۔ آج وہ طلائی ... گنبد کی صورت میں نگاہوں میں ... خیرگی پیدا کر رہی ہے دلوں ... کوئی ضریح اقدس سے لپٹ ... ہوا زنگ آلود قلب پر جلا ... کرتا ہوا کوئی مضطر حاجات ... طلب کرتا ہوا نظر آتا ہے گا جس ... نام لینا جرم قرار دیا گیا تھا۔ آج ... دنیا کی زبانیں بلا امتیاز مذہب و ملت اس کے نام کا ورد کر رہی ہیں۔ جب تک دنیا میں اخلاق فاضلہ کے پرستار موجود ہیں اس معلم اخلاق کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ اس حکیم انسانیت آموز نے کربلا میں عزم و استقلال، صبر و تحمل، جرأت و شجاعت، غیرت و خودداری، وفا و مروت آزادی و حریت کے جو بے نظیر درس دیئے۔ وہ آج بھی عالم کی رہنمائی کر رہے ہیں۔ اور رہتی دنیا تک اس شہید اعظم کے صحیفۂ شہادت کی ہر آیت مشعل راہ

نذر

ادارہ رضاکار محرم نمبر کے اس حقیر ہدیہ کو مرکز عصمت و طہارت جناب زینب سلام اللہ علیہا کے ان اشکوں اور آہوں کی نذر کرتا ہے۔ جو بھرے گھر کی صفائی پر بہائے گئے۔ اور جو لٹے ہوئے کارواں کی بیکسی پر کھینچی گئیں۔ اے سرزمین کربلا کی مقدس و مطہر بی بی اس حقیر ہدیہ کو جو خلوص کے ہاتھوں سے سجا کر حضور کی نذر کیا گیا ہے۔ شرف قبول عطا فرمایئے۔ اور اپنے بے پناہ عزم و ثبات کا صدقہ ادارہ رضاکار کو ایسی طاقت عطا فرمایئے۔ کہ یہ جریدہ میدان عمل میں حسینیتؑ کے علم کو سرنگوں نہ ہونے دے۔

(ادارہ)

بن کر انسان کو انسانیت کے راستے دکھاتی رہے گی۔

حسینیو! حسینؑ نے جو لائحہ عمل تمہارے لئے مرتب کیا تھا وہ آج بھی تمہیں دعوت عمل دے رہا ہے۔ اس کی صدا الا ناصر ینصرنا اگر گوش شنوا رکھتے ہو تو تمہارے کانوں میں گونج رہی ہوگی۔ اٹھو اور حسینیت کو اپنے میں جذب کرنے کی کوشش کرو۔ اگر دین پر آنچ آ رہی ہو۔ تو سر قربانی کے لئے آمادہ ہو جاؤ اگر وطن سے نکلنے کی ضرورت آپڑے۔ تو اس کی محبت تمہارے لئے سد راہ نہ بن جائے۔ کثرت کو ٹھکرا کر میدان میں جم جاؤ۔ مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں۔ مگر دامن استقلال کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ خطرات تمہیں معبود حقیقی کی یاد سے غافل نہ کریں

حسینؑ کے اصحاب حسینی تعلیم کا صحیح نمونہ تھے۔ جنہوں نے تیروں کی بارش تلواروں کی چمک میں اطاعت امام سے منہ نہ موڑا جب کہ دنیا باطل کے منجدھار میں گھر کر خس و خاشاک کی طرح سیلاب کے رخ پر بہی جا رہی تھی۔ انہوں نے موجوں تھپیڑوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس کے بہاؤ کے برعکس اپنا راستہ اختیار کیا۔ ان سفینہ حق کے کھینے والوں میں سن رسیدہ بزرگ بھی تھے۔ کمسن بچے بھی تھے۔ مگر نہ بوڑھوں کو ان کی ضعیفی آگے بڑھنے سے روکتی تھی۔ نہ بچوں کو ان کی کمزوری مانع ہوتی تھی۔ بلکہ جوانوں کے دوش بدوش بڑھتے چلے جا رہے تھے کیا ان بوڑھوں کو دیکھکر ازکار رفتہ اعضاء میں تازہ خون دوڑتا ہوا محسوس نہیں ہوتا۔ کیا ان بچوں کو دیکھکر دین پر فدا ہونے کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا۔ یقیناً کوئی حسینی ان اثرات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

وہ مخدرات عصمت جن کا نگہبان بستر بیماری پر کروٹیں بدل رہا تھا۔ جن کے خیموں سے آگ کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں جن کی گودوں کے پالے خون میں رنگے خاک میں اٹے کربلا کی ریت پر پڑے تھے۔ صیانت دین اور پیام حسینؑ کے ابلاغ کے لئے آمادہ ہو کر بڑھ گئیں۔ کہ جہاں دین کی حفاظت مردوں پر واجب ہے۔ وہاں عورتوں کو بھی حمایت حق کے لئے آگے بڑھنا چاہیئے۔ خود قید و بند کی سختیاں جھیلیں۔ مگر دین کو یزید کی خواہشوں کا اسیر نہ ہونے دیا۔ سروں سے چادریں دے دیں۔ مگر دین کو اپنے دامن کی پناہ میں رکھا۔

عرض حال

محرم نمبر قارئین کرام کے پیش نظر ہے۔ ہمیں اس امر کا اچھی طرح اعتراف ہے۔ کہ ہم اس نمبر کو اپنے عزائم اور ارادوں کے مطابق پوری طرح شاندار نہیں بنا سکے۔ تاہم ناسازگار حالات اور مالی مشکلات کے باوجود اس کی تہذیب و تدوین ہمارے لئے باعث فخر ہو سکتی ہے۔ اس کے مضامین قابل ترین مضمون نگار حضرات کی کاوش دماغ اور اس کی نظمیں ادب و شعریت کا بہترین مرقع قرار دی جا سکتی ہیں۔ ان مضامین میں تاریخی، عقلی، فلسفی غرض ہر پہلو سے واقعات کربلا اور شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام کی عظمت کو ثابت کیا گیا ہے۔

موجودہ حالات میں تصاویر کے لحاظ سے کبھی یہ نمبر بے مثال آپ ہے۔ مقامات مقدسہ ایران کے ماتمی جلوس علمائے ذوی الاحترام۔ زعمائے ملت اور قومی کارکنوں کی تصاویر بھی زینت دہ قرطاس ہیں۔ خداوند عالم بہتر جانتا ہے۔ کہ ہم نے اس نمبر کی تیاری میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور جہانتک ہمارے حالات نے اجازت دی۔ ہم نے اس نمبر پہ بیدریغ خرچ کیا اور تجارت کو پیش نظر نہیں رکھا۔

اخباری دنیا سے تعلق رکھنے والے حضرات اندازہ فرما سکتے ہیں۔ کہ موجودہ حالات میں جبکہ کاغذ اور دیگر اخباری ضروریات انتہا سے زیادہ گراں ہو چکی ہیں۔ اس نمبر کی تیاری پہ کس قدر خرچ آیا ہوگا۔ ادارہ ان تمام حضرات کا جنکی قلمی و مالی اعانت سے یہ نمبر پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ دلی شکریہ ادا کرتا ہے۔ انشاءاللہ ان حضرات کو سرکار حسینیؑ سے اجر ملے گا۔

خدا کرے ہمارا یہ حقیر مگر پُر خلوص ہدیہ سرکار شہادت میں شرف قبولیت پائے۔ تاکہ ہماری محنت سپھل ہو۔ (صدیق)

"ادارہ ناشر العلوم لاہور"

لاہور کے ان چند اداروں میں سے ایک ہے۔ جو مذہب و ملت کی ٹھوس و تعمیری خدمات سرانجام دے رہے ہیں ادارہ مذکور نے نہایت ہی قلیل عرصہ میں نمایاں ترقی کی ہے۔ ادارہ کی یہ ترقی اس کے مخلص کارکنوں کی ان تھک کوششوں کا نتیجہ ہے۔ اب ضرورت اس امر کی ہے۔ کہ افراد قوم کارکنان حضرات کی ہمت افزائی فرمائیں۔ تاکہ یہ ادارہ شیعہ قوم کا قابل فخر ادارہ بن سکے۔ ہمیں کامل توقع ہے۔ کہ پنجاب کے مخیّر حضرات ضرور اس ادارہ کی طرف متوجہ ہوں گے۔ اور ادارہ کی مالی امداد فرما کر کارکنان کو اس قابل بنا دیں گے۔ کہ وہ بہت جلد اس ادارہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکیں۔ (ادارہ)

ادارہ ناشر العلوم لاہور کا قیام جن مقاصد کے ماتحت عمل میں لایا گیا تھا بحمد اللہ صرف آٹھ ماہ کے قلیل عرصہ میں اسے بہت حد تک کامیابی حاصل ہو چکی ہے۔ مدرسہ کے نظم و نسق کو بہتر بنانے کے لئے ہر ممکن سعی کی جا رہی ہے۔ قابل اساتذہ کی خدمات حاصل کر لی گئی ہیں۔ مدرسہ میں مختلف جماعتوں کے طلباء علوم دینیہ حاصل کر رہے ہیں۔ مدرسہ کے نصاب میں زبان عربی کی تعلیم بھی ایک ضروری جزو ہے۔ اور طلباء کو طریقہ جدید کے مطابق اس کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اوقات تدریس دینیہ زیادہ سے زیادہ دو گھنٹے ہیں۔ اور اس میں بھی اس بات کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ کہ سکول کے طلباء بغیر مزید دماغی بوجھ برداشت کئے آسانی سے دینی مسائل کو سمجھ سکیں۔ اور ان میں فرائض مذہبی کا احساس پیدا ہو۔

مدرسہ کے مصارف کا کفیل ایک حد تک ادارہ کے شعبۂ اقتصادیات کی آمدنی ہے جسے کامیاب بنانے کیلئے ادارہ کے ارباب حل و عقد اپنی پوری توجہ دے رہے ہیں۔ اس دو سالہ میعاد میں ادارہ ہذا نے اس درس گاہ دینی کو جاری کر کے قوم کی ایک زبردست کمی کو پورا کر دیا ہے اب مومنین کرام کو چاہیئے۔ کہ ادارہ کی ان ناچیز خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے بچوں کو اسی دینی مدرسہ میں داخل کرائیں مارچ ۱۹۴۲ء سے باقاعدہ سلیبس (Syllaboum) کیمطابق مدرسہ کا دوسرا دور شروع ہونے والا ہے۔

اس مدرسۂ دینیہ کو اعلیٰ پیمانہ پر چلانے کے لئے سرمایہ کی ضرورت ہے۔ سرمایہ کا ایک ذریعہ شعبہ اقتصادیات ضرور ہے مگر اس شعبہ کو کامیاب بنانے کے لئے بھی سرمایہ کی ضرورت ہے تاکہ اس کی آمدنی سے مدرسہ کا کام بخوبی چل سکے۔ لہٰذا دردمندان قوم اور مخیّر حضرات کی خدمت میں اپیل کی جاتی ہے۔ کہ وہ اس کار خیر میں حصہ لے کر ایک اہم دینی و قومی خدمت سرانجام دیں اور عند اللہ ماجور و مثاب ہوں۔ ادارہ ہذا کے قواعد و ضوابط طلب کرنے اور ترسیل زر کا پتہ یہ ہے:۔

ناظم تعلیم:۔ السید علی ایوب حسین ناظم نشر و اشاعت ادارہ ناشر العلوم۔ موچی دروازہ۔ مغل حویلی۔ لاہور۔

معذرت

بعض قابلقدر مضامین دیر سے موصول ہونے کی وجہ سے یا بوجہ طویل ہونے کی وجہ سے اس نمبر میں درج نہیں ہو سکے۔ یہ تمام مضامین اور نظمیں بعد عشرہ محرم رضاکار میں شائع ہوں گے۔ انہی وجوہ کے پیش نظر ہم ان احباب سے جن کے مضامین درج نہیں ہو سکے۔ معذرت چاہتے ہیں (ادارہ)

ضروری اعلان:۔ بوجہ عشرہ محرم کے دفتر بند رہے گا۔ لہٰذا مورخہ ۸ جنوری کا پرچہ شائع نہ ہو سکے گا مورخہ ۱۶ جنوری سے پرچہ حسب دستور شائع ہوگا۔ قارئین کرام مطلع رہیں۔ (منیجر)

"رضاکار" کا مقصد ہر قسم کی پارٹی بازیوں، تخریبی اقدامات اور باہمی کشمکش سے الگ رہ کر مذہب و ملت کے لئے ٹھوس اور تعمیری جدوجہد کرنا ہے۔ (ادارہ)

پروفیسر سید احتشام حسین صاحب

واقعہ کربلا کی اہمیت اب کوئی پوشیدہ بات نہیں ہے مختلف رنگ اور نسل، مختلف قوم و ملت، مختلف مذہب اور میلان کے لوگ امام حسینؑ کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کر چکے ہیں۔ اور برابر پیش کرتے جا رہے ہیں۔ یہ صورت حال صرف شخصیت کی عظمت، اس کی یاد کی بلندی اور اس کے کارنامہ کی رفعت کی بدولت پیدا ہوتی ہے۔ امام حسینؑ کی شخصیت میں وہ کون سی خصوصیتیں ہیں جو اس طرح تیرہ صدیاں گذر جانے کے بعد بھی لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کر رہی ہیں۔ اگر ہم اس چیز پر غور کریں تو ہماری والہانہ شیفتگی اور اس خلوص کا راز معلوم ہو سکتا ہے۔ جیسے فلسفہ اور دوسرے علوم کا پتہ چلتا ہے انسان نظریہ اور عمل کی کشمکش میں برابر مبتلا دکھائی دیتا ہے کبھی جنون نے اس کے دل پر قبضہ کیا ہے، کبھی حکمت نے کبھی عقل نے راستہ دکھایا ہے۔ اور کبھی جذبات عنان گیر رہے ہیں۔ کبھی علم کی روشنی سے دل منور ہوئے ہیں اور کبھی تصورات نے رہنمائی کی ہے۔ انسانیت کے ساتھ یہ دونوں جذبے ہمیشہ کھیلتے رہے ہیں۔ لیکن ہم تاریخ کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ دیکھتے ہیں۔ کہ کامیاب وہی لوگ ہوتے ہیں جنہوں نے نظریہ اور عمل کے امتزاج سے کام لیا ہے۔ جو جذبات کی رو میں بہہ نہیں گئے ہیں۔ جو عقل کی خشکی کا شکار نہیں ہو گئے ہیں۔ امام حسینؑ کی ذات اس حیثیت سے حیرت خیز حد تک بلند پایہ ہے۔ ان کی شخصیت کا نشو و نما عملی اور نظری زندگی کی روشنی میں بہت ہی عجیب ہے اور بہت ہی مکمل ہے امام حسینؑ جس وقت پیدا ہوئے اسلام کی عمر رسولؐ کی رہنمائی میں کئی سال کی ہو چکی تھی۔ قبیلوں کی طرف سے چھوٹے چھوٹے اختلافات کم ہو چکے تھے۔ رسولؐ کی دھاک نہ صرف عرب میں بلکہ دوسرے ممالک میں بیٹھ چکی تھی۔ عرب کی قبیلہ پرستی اور تنگ نظری ایک طرح کی قومیت اور وسیع النظری میں تبدیل ہو چکی تھی۔ عرب کے لوگ اگرچہ اس سے پہلے بھی دنیا کے دوسرے خطوں سے آشنا رہ چکے تھے لیکن ان کے تعلقات ایک ممتاز قوم کی حیثیت سے نہیں تاجروں کی حیثیت سے دوسرے ممالک سے چلے آتے تھے۔ اب رسولؐ کی سرکردگی میں وہ ایک انقلاب کے بانی کی حیثیت سے دنیا سے روشناس ہو رہے تھے۔ ان کی تنگ کوٹھری میں دروازے کھل رہے تھے۔ صاف اور تازہ ہوا آ رہی تھی۔ زندگی نے اجتماعی طور پر ایک نئی منزل میں قدم رکھا تھا۔ یہ تھا عالم جب حسینؑ پیدا ہوئے۔ اور سات سال تک بانی اسلام کی گود میں بڑھے۔ ان کے اشارہ چشم و ابرو کو دیکھتے رہے۔ بانی انقلاب کے ساتھ انقلاب کی رفتار کا مطالعہ کرتے رہے۔ اسی باپ کے بیٹے تھے۔ جو رسولؐ کا دست راست تھا۔ اس گھر کی فرد تھے۔ جہاں ہر وقت اس نئی زندگی کے چرچے ہوتے رہتے تھے۔ اس طرح نظری اور عملی دونوں حیثیتوں سے امام حسینؑ کی ابتدائی زندگی ایک ایسے مدرسے کی زندگی ہے۔ جہاں وہ خاموشی کے ساتھ سب کچھ سیکھ رہے تھے۔ اور اس تیزی اور جانفشانی کے ساتھ سیکھ رہے تھے۔ کہ خود رسولؐ کو یہ کہہ دینا پڑا۔ کہ حسینؑ مجھ سے ہے۔ اور میں حسینؑ سے ہوں۔ نہ جانیں کون سی ادائیں رسولؐ نے حسینؑ کے اندر دیکھ لی تھیں۔ کہ سات سال کے بچے پر اسلام کے بچانے کا بوجھ رکھ دیا۔ رسولؐ کے انتقال کے بعد عرب کے اندر خود بڑے بڑے انقلاب ہوتے رہے

ترقی اور رجعت پسندی کی جنگ جاری رہی۔ قومیت اور قبیلہ پرستی کی آویزش کچھ کھلی رہی اور کچھ چھپی ہوئی صورت میں بار بار ظاہر ہوتی رہی۔ حسینؑ یہ سب کچھ دیکھتے رہے اسلام عرب کے باہر نکلا، ایران و مصر میں پہنچا۔ فلسطین اور افغانستان میں پہنچا۔ یعنی قومیت بین الاقوامیت میں تبدیل ہوتی رہی۔ اور حسینؑ اُسے دیکھتے اور سمجھتے رہے۔ زندگی کچھ ایسی سادہ اور خوشگوار نہ تھی۔ کہ حسینؑ کی زندگی میں کشمکش نہ پیدا ہوتی۔ برابر پیدا ہوئی۔ لیکن سب کچھ حاصل کیا جا رہا تھا۔ ایک وقت کے لئے جب پوری طرح اپنی شخصیت کے اظہار کا موقع آجائے گا۔ زندگی کے ہر گوشے کو سمجھنے میں امام حسینؑ نے کوئی کمی نہیں کی۔ ورنہ کربلا کے دل ہلا دینے والے معرکہ میں یہ ثبات قدم بہت مشکل تھا۔ ایک وقت میں اتنے سوالوں کا جواب اس استقلال سے کوئی اور نہ دے سکتا تھا جس طرح حسینؑ نے دیا۔ ہر سوال میں زندگی کے ساتھ موت کا اور عزت کے ساتھ ذلت کا تمسخر پوشیدہ تھا

اس لئے میں عرض کر رہا ہوں۔ کہ واقعہ کربلا کی یاد میں سب سے زیادہ اہمیت خود امام حسینؑ کی شخصیت کو حاصل ہے جس کا نشوونما ہی اس نہج پر ہوا تھا۔ کہ وہ نظریہ اور عمل کو مشترک کر کے کوئی صحیح نتیجہ زندگی اور زندگی کے انقلاب کے بارے میں نکال سکے۔ ان کی نگاہوں کے سامنے قبیلہ پرستی متحدہ قومیت میں اور قومیت بین الاقوامیت میں تبدیل ہو رہی تھی۔ متحدہ قومیت کے بطن سے بادشاہت اور قیصریت پیدا ہو رہی تھی دبے ہوئے طبقہ ابھرنا اور انتقام لینا چاہتے تھے۔ عمل کے خلاف ردِ عمل پوری قوت سے رونما ہونا چاہتا تھا۔ ان چیزوں کا مطالعہ حسینؑ نے پوری بصیرت کے ساتھ کیا تھا۔ اس لئے رائے قائم کرنے میں کوئی جلدی نہ کی۔ ایک احساس فرض تھا۔ جس کے ماتحت انہوں نے عقل اور جذبہ دونوں کی آمیزش سے اپنی زندگی کا دستور العمل بنایا تھا۔ رسولؐ کی دفاعی لڑائیاں ان کے فتوحات، عہد نامے، اصول کی پابندیاں سب ان کے سامنے تھیں۔ خلفائے اسلام کے عمل اور قول کی وہ پرکھ سکتے تھے۔ اپنے آپ کی زندگی کے نشیب و فراز کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ ماں نے انجام پر نظر رکھی۔ بھائی کے صلحنامے کا [illegible] دیکھ چکے تھے۔ اس لئے جب کربلا میں آخری فیصلہ کرنے کا موقع آگیا۔ تو [illegible] حسینؑ کو کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ جیسے سب کچھ ایک مشین کی [illegible] ساتھ ہوا جیسے یہی ہونا چاہئے تھا۔ اور یہی ہو سکتا تھا۔ جیسے حسینؑ ماضی اور مستقبل دونوں کو بے نقاب دیکھ رہے تھے۔ اور انسان کے اندر علم و حس کی جتنی طاقتیں ہیں۔ ان سب کو کام میں لا کر اپنے آخری فیصلہ کو ہر جہت سے مضبوط اور وقیع بنا دینا چاہتے تھے۔ کہیں جلدی نہیں معلوم ہوتی کہیں عجلت نہیں۔ کہیں گھبراہٹ نہیں۔ کہیں اپنے کئے پر پچھتاوے نہیں۔ کہیں احساس زیاں نہیں۔ کہیں خوف و ہراس نہیں نگاہوں کے سامنے اپنے مقصد کی زندہ تصویر ہے۔ اور حسینؑ! اس لئے اُن کی رائے میں کسی طرح کی کمزوری یا لغزش دکھائی نہیں دیتی۔ یہ اسی وقت ہوتا ہے۔ جب شخصیت ہزار ہا طوفان سے گزر کر چٹان کی طرح مضبوط بن چکی ہو۔ جب نظریہ اور عمل میں افتراق نہ ہو۔ جب دل اور دماغ ایک ساتھ کام کرتے ہوں۔ ہر اقدام سوچ سمجھ کر کیا جائے۔

امام حسینؑ کی شخصیت کی تشکیل میں ان تمام خارجی معاملات نے کام کیا۔ اور ان کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ان کی ذات میں عجیب و غریب صفات کا اجتماع ہو گیا۔ انہوں نے زندگی کے مقصد کو چن لیا۔ اور پھر اس راستہ سے انہیں ہٹانے میں کوئی کامیاب نہ ہو سکا۔ دوستوں اور عزیزوں کی موت، جوانوں اور بوڑھوں کی قربانیاں، بچوں کی جاں نثاریاں، یہ بھی حسینؑ ہی کی شخصیت کی آئینہ دار ہیں۔ مستقبل ان کی نظر میں روشن تھا۔ اس لئے حال کو ماضی کی روشنی میں بہت وقیع اور شاندار بنانا چاہتے تھے۔ اور اُن تمام تجربوں سے کام لینا

(باقی صفحہ ۱۰ پر)

نوحہ، مرثیہ، رونا پیٹنا

دینِ الٰہی سے ایسا دشمن جو ہر دو عترت قرآن کیساتھ ہے ؟ جو کوئی کافر نہیں کرتا کسی انسان کیساتھ !

مولانا سید عدیل اختر صاحب

زمانہ شناس زمانہ اور اہلِ زمانہ کی شکایت ہمیشہ سے چلی آتی ہے۔ اور اس شدت سے کہ گویا اس سے قبل زمانہ کا سلوک ایسا کسی کے ساتھ نہیں ہوا۔ لیکن اس باب میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی عترتِ طاہرہ کا حال عجیب بلکہ اعجب ہے۔ اس میں شک نہیں۔ کہ انبیاء کو ستایا گیا۔ مگر منکرین کے ہاتھوں۔ لیکن سرورِ عالم کو اذیت پہنچائی گئی۔ تو کلمہ پڑھنے والوں کے ہاتھوں۔ ظاہر ہے کہ دشمن کا ستانا اتنا زیادہ تکلیف دہ نہیں ہوتا۔ جتنا دوست کا رنج پہنچانا کیونکہ دشمن سے تو ایذا کی توقع ہی ہوتی ہے۔ ہاں مدعیانِ محبت کی کنارہ کشی بھی باعثِ شکوہ ہوتی ہے۔ چہ جائیکہ دوستی کے دعوے اور دشمنی کے طور۔ اسی طرح جب ہم انبیاء علیہم السلام کے بعد اُن کی نسل و اولاد پر نظر ڈالتے ہیں۔ تو اُن سے دشمنوں کی ایسی عداوت کا پتہ نہیں چلتا۔ جیسی خاتم النبیینؐ کی اولاد کے ساتھ کلمہ گویوں نے کی۔ کاش نافہم اور جاہل طبقہ ایسا کرتا۔ یا کسی ایسے ناعاقبت اندیش کے افعال و اقوال سے صاحبانِ علم و فہم برأت ہی کا اعلان کر دیتے۔ مگر صدمہ تو اس کا ہے کہ باوجود قرآن و حدیث کی تصریح کے باوجود اصحاب کی سیرت کے باوجود فطرت کے تقاضے کے آج تک اہل بیت رسول صلعم کے لئے اتنی رعایت بھی نہیں کی جاتی جتنی دوسرے انسان بلکہ جانور تک کے لئے کیجاتی ہے۔

کیا میت پر رونا بدعت یا گناہ یا ممنوع ہے ؟

آج تک یہ آواز بلند کی جاتی ہے کہ میت پر رونے سے میت پر عذاب ہوتا ہے۔ حالانکہ اس امر کا فیصلہ خود سرورِ عالم کی زندگی میں اور اُن کے بعد اصحاب کے دور میں ہو چکا ہے۔ اور کیا میت کے لئے رونا گناہ یا کم از کم کوئی بُری بات ہے ؟ جبکہ خود جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ نے اسی رونے کو انسانیت کا شرف قرار دیدیا ہے۔ ذرا مشکوٰۃ المصابیح کتاب الجنائز باب البکاء علی المیت ص۱۵۱ طبع گلزار محمدی لاہور ملاحظہ ہو۔ جس میں یہ تصریح ہے کہ میت پر رونے سے عذاب نہیں ہوتا (طول نہ ہو جائے اس لئے صرف ترجمہ پر اکتفا کی جاتی ہے) عمرہ بنت عبدالرحمان (بن ابی بکر) نے بیان کیا۔ کہ جب عائشہ سے کہا گیا۔ کہ عبداللہ بن عمر کہتے تھے۔ کہ زندہ کے رونے سے میت پر عذاب ہوتا ہے۔ اُس پر عائشہ کو ہم نے یہ کہتے سُنا کہ اللہ ابو عبدالرحمٰن کو معاف کرے (یہ عبداللہ بن عمر کی کنیت ہے) اُس نے جھوٹ تو کہا نہیں یا بھول گیا یا غلطی کی بات تو اتنی ہے۔ کہ رسول خدا صلعم ایک مرتبہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے آپ کا گذر ایک یہودیہ کی میت کی طرف سے ہوا۔ جس پر لوگ رو رہے تھے۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ کہ لوگ اس پر رو رہے ہیں مگر (اس کا کیا اثر) اس پر تو قبر میں عذاب ہو ہی رہا ہے۔ اسی روایت سے واضح ہو گیا۔ کہ کہاں کی عبارت اور مشہور کس طرح کی جاتی ہے۔ اسی ص۱۵۱ پر عبداللہ بن ملیکہ کی وہ طویل حدیث ہے جس میں عمر صاحب نے صہیب کو رونے سے منع کیا ہے اور کہا ہے۔ کہ کیوں صہیب تم روتے ہو حالانکہ رسول خدا صلعم نے

فرمایا ہے کہ میت پر رونے سے میت پر عذاب ہوتا ہے۔
ابن عباس کہتے ہیں کہ عمر کے مرنے کے بعد میں نے عائشہ سے یہ
بیان کیا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ خدا عمر پر رحم کرے۔ قسم خدا
کی آنحضرت صلعم نے ہرگز یہ نہیں فرمایا کہ میت کے اہل کے
رونے سے میت پر عذاب ہوتا ہے بلکہ آپ نے یہ فرمایا
ہے کہ اگر کافر پر اس کے اہل روتے ہیں۔ تو اس کافر پر
خدا اور زیادہ عذاب کرتا ہے (کسی اور کی ضرورت ہی کیا ہے)
تم کو قرآن ہی کافی ہے کہ اس میں تصریح ہے کہ کوئی دوسرا
دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ (تو روئے کوئی اور عذاب
ہو کسی پر۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے)

ان دونوں حدیثوں کو ملاحظہ کیجئے۔ حضرت عمر اور ابن عمر
صاحب کو یہی رٹ لگی ہے۔ حالانکہ بار بار سمجھایا جا چکا ہے۔ خود
جناب سرور کائنات صلعم نے تصریحاً جو فہمائش کی ہے۔ اسے
ملاحظہ کیجئے۔ کتاب مشکوٰۃ مذکورہ صفحہ ۱۵۲۔ ابوہریرہ سے روایت
ہے کہ آل مقتول میں سے کسی کا انتقال ہو گیا۔ تو عورتیں جمع
ہو کر رونے لگیں (اب کیا تھا) حضرت عمر اوٹھ کھڑے ہوئے
اور عورتوں کو روکنا اور نکالنا شروع کر دیا۔ اس پر آنحضرت صلعم
نے فرمایا کہ اے عمر ان کو چھوڑ دو۔ آنکھوں سے آنسو نکلتے ہیں دل پر
مصیبت پڑی ہے اور مصیبت بھی تازہ ہے۔" اس مطلب کی
حدیثیں بکثرت موجود ہونے کے باوجود آج بھی یہی رٹ ہے
کہ میت پر رونا میت کے عذاب کا باعث یا گناہ ہے۔

اسی مشکوٰۃ کے اسی باب صفحہ ۱۵۰ پر اس وقت کی حالت
لکھی ہے۔ جب جناب ابراہیم کا انتقال ہو رہا ہے۔ اور سرور
عالم کے آنسو جاری تھے۔ اور عبدالرحمان بن عوف نے اعتراض
کیا تھا کہ یا رسول اللہ آپ اور رونا۔ تو آنحضرت نے جواب میں
فرمایا تھا کہ (یہ رحمدلی کا اثر ہے) پھر رونے لگے اور فرماتے
جاتے تھے آنکھوں سے آنسو بہ رہے ہیں اور دل پر غم چھا رہا ہے
مگر ہم اپنے پروردگار کی مرضی کے خلاف کوئی لفظ نہیں نکالتے"
اس کے بعد دوسری روایت میں ہے آنحضرت کو سعد نے
روکا۔ تو فرمایا "یہ تو علامت رحمت ہیں۔ خداوند عالم نے ان کو
اپنے رحمدل بندوں کے قلوب میں ودیعت فرمایا ہے اور خدا
تو اپنے رحمدل ہی بندوں پر رحمت کی بارش فرماتا ہے"

ان روایات سے واضح ہو گیا کہ رونا برا نہیں۔ بلکہ رونے
والوں کو روکنے والے کو خود سرور عالم نے ڈانٹ دیا ہے
اور رونے کو اپنے بندوں کا شرف یعنی رحمدلی کی علامت اور
رحمت خدا کا مستحق بندے ہونا قرار دیا ہے۔ اور یہ رونا عام
انسانوں پر ہے۔ پھر اس رونے کی عظمت کیا بیان کی جا
سکتی ہے۔ جو اس معصوم کے لئے ہو۔ جس کے ماتم میں جناب
رسول خدا صلعم باوجود پریشان چہرہ پر خاک ملکر جنت سے باہر
تشریف لے آئے۔ (دیکھو صواعق محرقہ وغیرہ)

اوروں پر رونا پیٹنا ممنوع نہیں!

ایک عرصہ دراز تک اس امر کی ناکام کوشش کی گئی کہ رونا
ناجائز قرار دیا جائے۔ لیکن جب واضح سے واضح ثبوت
احادیث سے پیش کر دیا گیا۔ تو اب دوسرا بہانہ نکالا گیا۔ کہ
پیٹنا جائز نہیں ہے۔ حالانکہ خود اہل سنت کی کتابوں میں
پیٹنے کا ثبوت بھی موجود ہے۔ البتہ کمی فقط یہ ہے کہ وہ
اہل بیت کے لئے نہیں ہے۔ یعنی تمام بندشیں تو آل رسول
کے لئے ہیں۔ ابھی ابھی بیان کر چکا ہوں۔ کہ آل رسول پر رونے
کے لئے حضرت عمر کیسے تیار ہو گئے تھے۔ مگر جب خالد بن
ولید پر نوحہ ہو رہا تھا تو شریک ہو اتو صدائے برنخاست۔

ملاحظہ ہو کتاب کنز العمال برحاشیہ مسند احمد بن حنبل
ج ۶ صفحہ ۲۶۴ طبع مصر

عن عبداللہ بن عکرمہ قال عجب لقول الناس ان عمر بن الخطاب
نہی عن النوح لقد بکی علی خالد بن الولید بمکۃ والمدینۃ نساء
بنی مغیرۃ سبعاً یشققن الجیوب ویضربن الوجوہ واطعموا الطعام
تلک الایام حتی ماتت ما ینہاہن عمر بن سعد۔

عبداللہ بن عکرمہ کہتے ہیں کہ تعجب ہے کہ لوگ یہ کہتے ہیں
کہ عمر بن خطاب نے نوحہ کو روکا ہے حالانکہ بے شک

بنی مغیرہ کی عورتیں خالد بن ولید پر مکہ اور مدینہ میں سات دن تک روتی رہیں۔ اور سب نے اپنے اپنے گریبان پھاڑ ڈالے تھے۔ اور اپنے منہ پر طمانچے مارتی تھیں۔ اور سات دنوں تک (ماتم کا) کھانا بھی تقسیم ہوا۔ مگر عمر صاحب نے کسی کو کچھ نہ کہا۔

مسلمانو! جائے عبرت ہے خالد بن ولید کی موت میں رونا جائز نوحہ روا۔ وہ تین دن والی قید بھی غائب جو سوگ رکھنے کے لئے کی جاتی ہے۔ گریبان پھاڑنا بھی جائز منہ پیٹنا بھی جائز تقسیم طعام بھی درست۔ اور امام حسینؑ کے لئے ان میں کوئی بات جائز نہیں۔

مرثیہ

نوحہ و ماتم کے جواز کی بحث کے بعد ایک بحث مرثیہ کی آتی ہے۔ حالانکہ مرثیہ کے وہ معنی جو اردو میں مشہور ہیں اور جو مرثیے نظم کر کے مجلسوں میں پڑھا جاتا ہے۔ وہ سب کے لئے جائز ہے۔ تاریخ الخلفاء اور طبری کی ورق گردانی کیجئے تو معلوم ہوگا کہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان سب کیلئے مرثیہ کہا گیا پڑھا گیا ندبہ کیا گیا۔ مگر کیا خوب انصاف ہے کہ یہی مرثیہ کہنا اور پڑھنا امام مظلوم کے لئے ناجائز ہے۔ عبرتاً عبرتاً اس سے بڑھ کر حیرت انگیز یہ ہے کہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں تصریح موجود ہے۔ کہ جس کی آنکھ سے ایک قطرہ حسینؑ کے لئے گرا ہوگا۔ اس کے لئے جنت ہے کیا لطیفہ ہے۔ کہ جن لوگوں کے لئے رونے میں جنت ہو۔ ان پر رونا حرام اور جن کے واجب القتل ہونے کا خود حضرت عمر فتوے صادر فرمائیں (دیکھو تواریخ اسلام خالد بن ولید کے واقعہ قتل مالک پر حضرت عمر کا حضرت ابوبکر کا مشورہ) ان کیلئے رونا پیٹنا مرثیہ سب کچھ ہوا۔

عظمت کا راز:۔ صفحہ ۸ سے آگے۔

چاہتے تھے۔ جو اُن کے پیش رؤں نے انہیں ترکہ میں چھوڑے تھے۔ واقعات اور حالات کا صحیح ادراک، معاملات کی نزاکت

مکمل احساس اس سے زیادہ شاید ہی کہیں دکھائی دیتا ہو۔ اس لئے امام حسینؑ کے ہر قول اور ہر فعل سے کوئی ایسا پہلو نکلتا ہے۔ جو انسانیت کی آنکھوں کا سرمہ بن جاتا ہے۔ ان کی شخصیت کی ہمہ گیری میں زندگی کے بہت سے پہلو جھلکتے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ اعلیٰ خصائل جن [illegible] انسان بنتا ہے۔ وہ خوبیاں جو انسانیت کے زینہ کو بلند کرتی ہیں۔ وہ صفتیں جو بنی آدم کے مدتقہ پر فخر کا باعث کرتی ہیں۔ سب حسینؑ کی ذات میں پائی جاتی ہیں۔ صبر و شکر، ہمت و جرأت، حلم و بردباری، یقین اور اطمینان، مصائب سے مردانہ وار مقابلہ کی طاقت کیا ہے جو حسینؑ میں نہیں پایا جاتا۔ اس لئے جب کوئی شخص حیرت کرتا ہے کہ مختلف مذہب و ملت کے لوگ کس طرح آج حسینؑ کے سامنے خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے جمع ہو گئے ہیں۔ تو مجھے تعجب ہوتا ہے۔ اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔ حسینؑ نے انسانیت کے نام کو دوبالا کیا۔ انہوں نے جوہر انسانیت کو اُبھارا۔ انہوں نے انسانی یقین کی اس منزل تک رسائی حاصل کی۔ جہاں پہنچنا انسانیت کے لئے باعث فخر ہے۔ اس لئے وہ لوگ جو یہاں جمع ہوتے ہیں۔ حقیقتاً اس شخص کے سامنے خراج عقیدت پیش کر رہے ہیں جس نے زندگی کے امکانات انسانی عروج کے امکانات ہمارے سامنے پیش کر دیئے۔ ایسی ہستی کی عزت کرنا خود اپنی عزت کرنا اور اپنے شرف کو بڑھانا ہے۔

شکریہ!

"رضاکار" محرم نمبر کے سرورق اور تصاویر کے لئے میسرز رام لال اینڈ سنز پیپر مرچنٹس انارکلی لاہور نے ہمیں ٹیٹاگڑھ پیپر ملز کمپنی لمیٹڈ کلکتہ کا تیار کردہ آرٹ پیپر کنٹرول ریٹ پر مہیا کیا۔ جس کے لئے ہم کمپنی مذکور اور میسرز رام لال اینڈ سنز کے دلی طور پر ممنون ہیں۔ اور اپنی قوم کی طرف سے بھی ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

(ادارہ)

شہادت حسینؑ کے اسباب

علامہ سید علی نقی - لکھنوی !

آپ کو معلوم ہے کہ حسینؑ حضرت محمد مصطفےٰؐ کے نواسے تھے۔ اور حضرت محمدؐ اس انقلاب کے مرکز تھے۔ جس کا نام ہے "اسلام"۔

اسلام سے پہلے عرب کی معاشی اور معاشرتی دنیا جس قدر تاریک تھی۔ اس کا آپ تاریخ میں مشاہدہ کر سکتے ہیں مساوات انسانی کوئی چیز نہ تھی۔ اور غلبۂ طاقت اور اقتدار سب کچھ تھا۔ اس کی ایک ادنےٰ مثال یہ تھی۔ کہ ایک بڑے آدمی کے قتل ہو جانے پر صرف اس کے قاتل کو قتل نہ کیا جاتا تھا۔ بلکہ فریق مخالف کے سینکڑوں آدمی مار ڈالے جاتے تھے۔ تب سمجھا جاتا تھا۔ کہ خون کا اس کے بدلا ہوا۔ اس کے برخلاف اگر بڑے آدمی کے ہاتھ سے کوئی چھوٹا آدمی قتل ہو جاتا تھا۔ تو اس کا خون معاف تھا۔

یہ بڑے اور چھوٹے کی تفریق ہزاروں تمدنی گناہوں کی سرچشمہ تھی اور انسانیت کے پیچھے اڑا رہی تھی۔ ان سب کا سبب یہ تھا۔ کہ انہوں نے مادیت کو اپنا معبود سمجھ لیا تھا۔ ماوراء المادہ کا تخیل باقی نہ رہا تھا۔ اس لئے مادی امتیازہی ان کے نزدیک سب کچھ تھا۔

"اسلام" جو ایک عظیم انقلاب کا حامل بن کر آیا تھا اس نے سب سے پہلے اس کا اصلی سبب دور کرتے ہوئے لوگوں کی نگاہ کو مادیت کے احاطے سے آگے نکال کر ایک غیبی طاقت کی جانب متوجہ کیا۔ جس کے لحاظ سے تمام افراد انسانی یکساں حیثیت رکھتے تھے۔ اور پھر اس نے سابق کے تمام تفوق اور بلندی کے امتیازات کو مٹا کر نیا امتیاز قائم کیا۔ کہ جو شخص ذاتی فضائل انسانی کو سب سے زیادہ انجام دیتا ہو۔ وہ سب سے بہتر ہے۔ (انّ اکرمکم عند اللہ اتقاکم) اس ... نسب ... طاقت اقتدار قوم و قبیلہ کی زیادتی اور تعداد کی ... یہ تمام باتیں کچھ نہیں۔ اس نے کہا کہ یہ انسان دوسرے کے برابر ہے جب تک کہ انسانیت کے اوصاف میں اپنے تئیں اس سے بہتر نہ ثابت کرے۔

اس سے معاشی معاشرتی اور ... حالات میں بڑی تبدیلیاں ہوئیں۔ اسلام نے ... مساوات کے پیدا کرنے میں بڑی حد تک کامیابی حاصل کی۔ بہت سے بلند خاندان کے افراد کی شادی کی ... ان ... میں جو قدیم زمانہ سے بہت ... سمجھے جاتے تھے۔ ایک بلند مرتبہ شخص کے قاتل کے بدلے یہ امر ناممکن ہو گیا کہ سوائے اس کے کوئی دوسرا شخص قتل نہ کیا جائے۔

بہت سے غیر اقوام اور پست نسب لوگوں کو جو اس کے پہلے جانوروں کے برابر سمجھے جاتے تھے۔ ان کے انسانی اوصاف کی بدولت وہ عزت حاصل ہوئی۔ جو بڑے بڑے خاندانی عربوں کو نہ تھی۔ اور اکثر موقعوں میں عرب قوم کو سرداری قبول کرنا پڑی ان لوگوں کی جنہیں وہ نسلی حیثیت سے اپنے برابر نہ سمجھتے تھے یا مادی غلبہ و اقتدار کے لحاظ سے جنہیں وہ کمتر خیال کرتے تھے۔

یہ انقلاب کے بالکل متوازی ایک اور انقلاب شروع ہو جاتا ہے۔ جو انقلاب سے پیدا ہونے والے امتیازات کو مٹا دینا چاہتا ہے۔ اور رجعت پسندی یا قدامت پرستی کے امتیازات کو برقرار رکھنا چاہتا ہے۔

اسلام کو اس حیثیت سے ان تمام قبائل کا مقابلہ کرنا

پڑا۔ جو اس سے پہلے اپنے تئیں غلبہ و اقتدار کا حق دار سمجھتے تھے۔ خواہ نسلی تفوق کی بنا پر، خواہ مال و دولت کی بنا پر اور خواہ اپنے قوم و قبیلہ کی بنا پر۔

حضرت محمد مصطفےٰ کو اس سلسلہ میں کئی لڑائیاں لڑنا پڑیں۔ جن میں بدر۔ احد اور احزاب بہت مشہور لڑائیاں ہیں ان میں بنی امیہ کا سردار ابوسفیان بہت آگے آگے تھا۔ اور وہ مخالف جماعت کا سرگروہ تھا۔

ان مقابلوں میں اگرچہ کامیابی اسلام کو ہوئی۔ مگر ہر کامیابی مخالف کے دل میں ایک جذبۂ انتقام پیدا کر دیتی تھی۔ اور اس لئے ظاہر ہے [illegible] تو ان میں اسلام اگرچہ سب سے وزنی ہو [illegible] گیا۔ مگر اس کے خلاف مخالفت کا جذبہ باطنی طور پر سنگین تر ہو گیا۔ یہاں تک کہ ایک وہ وقت آیا جب فریق مخالف کی شکست نے ختم طور پر ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا۔ اور مخالف جماعت کے لوگ یہاں تک کہ خود ابوسفیان اور اس کے خاندان والے اسلام لے آئے۔ مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ دبی ہوئی اور شکست خوردہ قوموں کے کچھ نفسیات ہوتے ہیں۔ اسلام سے شکست خوردہ جماعت یعنی بنی امیہ اور ان کے ہواخواہ جب اسلام لے آئے۔ تو ان کی نفسیاتی حیثیت یہ تھی کہ وہ برابر موقع کے منتظر تھے کہ کس طرح ہم اسلام کا انتقام لے سکیں۔ اور اگر اس کو ختم نہ کر سکیں۔ تو کم از کم اس کے مقصد کو تبدیل کر کے ان امتیازات کو مٹا دیں۔ جو اسلام نے قائم کئے ہیں۔ اور اس کے پردہ ہی میں ان امتیازات کو قائم کر دیں جو اسلام کے پہلے عرب میں قائم تھے۔

پیغمبر اسلام کی زندگی میں ان کے اس مقصد کی تکمیل مشکل تھی۔ مگر پیغمبر کے بعد ان کو اپنے مقاصد کی کامیابی کی کافی توقع تھی۔

پیغمبر اسلام کے بعد اسلامی انقلاب کے محافظ پیغمبر کے ورثہ داران کے گھرانے والے لوگ تھے۔ جنہیں وہ برابر اپنے کاموں میں شریک رکھتے تھے۔ اور جنہیں انہوں نے اپنے مقاصد سے پورے طور پر مطلع کر دیا تھا۔ اور ان کی عملی تربیت اس طرح کی تھی کہ وہ اپنے اقوال و افعال سے ان مقاصد کے ترجمان اور [illegible] بن سکیں۔

ان میں اور اس کے متوازی دوسرے انقلاب کے علمبرداروں میں کشمکش لازمی تھی۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر خدائی آزمائش کے وقت آل رسول کے ساتھی کم نکلے۔ اور یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہا۔ اس کے وجوہ متعدد بھی ہیں اور سیاسی بھی۔ نفسیاتی بھی اور نسلی بھی۔

آپ کو پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ اسلام قدیم امتیازات کو مٹا کر مساوات کا پیغام لے کر آیا تھا۔ اور اس نے امتیاز صرف فرائض انسانی کی بنا پر قرار دیا تھا۔ مال اور دولت کی اس طرح تقسیم کہ جس میں جانبداری اور عدم مساوات پیدا ہو جائے اسلام کے اصول کے خلاف تھی۔ اور اس کے محافظین بھی اس کے قریب نہ جا سکتے تھے۔ اس لئے آل رسول کے لئے یہ ناممکن تھا کہ وہ خزانہ میں روپیہ جمع کر کے دولت مند بنیں۔ اور خصوصیت سے ان لوگوں کو زر و جواہر سے مالا مال کریں۔ جن سے ان کو اپنے اقتدار کے قوی بنانے میں مدد کی امید ہو۔ یہاں تو یہ عالم تھا۔ کہ حضرت علیؑ سے ان کے بھائی عقیل تک برگشتہ ہو گئے۔ اس بنا پر کہ وہ چاہتے تھے کہ ان کو تمام مسلمانوں سے زیادہ کچھ دیا جائے۔ اور

امام حسینؑ
کی شہادت کے بعد یزید نے یا اس کے بیٹے نے امام زین العابدینؑ سے پھر بیعت کا سوال نہیں کیا
حسینؑ
کی فتح کا پہلا اور مضبوط ثبوت یہی ہے۔ [illegible]

حضرت علیؑ اس کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ پھر جب عباسؓ اپنے بھائی کا بیٹا تھا تو دوسروں کا کیا ذکر۔

اس کے برخلاف دوسری جماعت کے لوگوں کو اس کی پرواہ نہ تھی۔ وہ اپنے اقتدار کے قائم رکھنے کے لئے خزانہ کا منہ کھول دیتے تھے اور جس کو اپنے مطلب کا سمجھتے تھے اس کو مالا مال کر دیتے تھے۔ اس کے علاوہ اسلام نے ان تمام مقتدر اشخاص اور جماعتوں کے امتیازات کو ختم کر دیا تھا جو اس کے پہلے برسر اقتدار تھیں۔ اور ایک بالکل الگ معیار قائم کیا تھا۔ وہ مقتدر جماعتیں آپس میں کتنی ہی رقیبانہ چشمک رکھتی ہوں۔ لیکن اسلام سے زخم خوردہ سب ہی تھیں اس لئے اسلام کے حقیقی قدر ... اور قائم کردہ امتیاز ... مٹنے ہیں وہ سب ... آہنگ بن سکتی تھیں ... اس لئے کہ اس کو ... میں ان میں سے ہر ایک ... کے اقتدار کا ... منحصر تھا۔ پھر یہ بھی کہ سابق ... کی شکستوں کا ان سب ہی کے دل پر اثر تھا اور سب ہی میں جذبۂ انتقام پایا جاتا تھا۔

اور پھر اتفاق کی بات یہ ہے کہ رسولؐ کے مسلک کے محافظ تمام ایک خاص خاندان (بنو ہاشم) کے لوگ تھے۔ جن سے اکثر عرب خاندانوں کو پہلے سے حسد و عناد تھا۔ اس لئے وہ نسلی تعصب سے بھی مخالفت پر آمادہ رہتے تھے۔ اور چونکہ عرب میں قبائلی نظام پوری قوت کے ساتھ قائم تھا۔ ہر قبیلہ کے سرگردہ اور بڑے افراد ان جذبات کی بنا پر جو ابھی بیان ہوئے۔ جس راستے پر جاتے تھے۔ عوام اور پست افراد اہل قبیلہ ان ہی کی پیروی کرتے تھے۔ کیونکہ عوام کا کوئی نظریہ نہیں ہوتا۔ نہ ان کی کوئی رائے۔ خصوصاً جبکہ

جاہلیت بھی ان میں اس حد تک تھی۔ کہ جو ان ہی کے ساتھ مخصوص تھی۔

بنو امیہ کا اقتدار مسلمانوں میں بحیثیت ایک صوبہ دار حاکم کے شروع ہوا ملک شام میں۔ معاویہ کے بھائی اور پھر معاویہ کا گورنر مقرر کیا جانا اس کا آغاز تھا۔ انہوں نے اپنے دورِ حکومت کی ابتدا ہی سے اپنے یہاں روم کے سلاطین کی شان و شوکت کی حامل رکھی۔ مسلمانوں کے اقتدار اعلیٰ کی جانب سے اس پر اشتباہ ہوا۔ تو ایک چالاک ... سیاست دان کی طرح یہ کہہ کر تسکین کر دی گئی۔ کہ چونکہ شام کی سرحد قیصر روم کے ملک سے ملی ہوئی ہے۔ اس لئے یہاں اسلام کی عظمت ... قائم رکھنے کے لئے اس طرح ... کے جاہ و جبروت کی ... ضرورت ہے۔ اس کے معنی یہ تھے کہ ... اسلامی انقلاب کی جگہ ... قدامت پرستانہ انقلاب ... رنگ پانے لگا۔ اور اسلام ... کے مقررہ حدود کے ... بجائے دوسرے حدود و امتیازات قائم ہو گئے۔

حضرت علیؑ کی خلافت کا مختصر دور تمامتر اسی اموی اقتدار کے مقابلہ میں صرف ہوا۔ جس میں حضرت علیؑ کو بہت محدود کامیابی حاصل ہو سکی۔

حضرت علیؑ کی زندگی ختم ہونے کے ساتھ اس اقتدار میں اور اضافہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ حضرت امام حسنؑ کو صلح پر مجبور ہونا پڑا۔ دراصل اس طرح آپ نے مخالف طاقت کے جارحانہ اعمال کو شرائط صلح کے ذریعہ سے محدود بنانے کی کوشش کی۔ مگر حضرت امام حسنؑ کو زہر دے کر شہید کر دیا گیا اور شرائط صلح کی خلاف ورزی کی جانے لگی۔ اور سیاسی اقتدار

"باطل" بولا!

... ہمیشہ میرا سینہ سپر ہو کر اٹھتا ہے۔ اس لئے دنیا پر چھا جاؤں گا

"حق"

... نے مسکرا کر جواب دیا۔ حسینؑ صداقت و انسانیت کا سب سے بڑا مجاہد ... ہے۔ اس کے پرچم کی چھوٹ یزیدیت تجھ کو فنا کر دے گی ...

جرأت وبیباکی اس حد پر پہنچی۔ کہ حجر بن عدی، اور ان کے بہت سے ساتھیوں کو جو بڑے عابد و زاہد متقی اور پارسا تھے۔ تہ تیغ کر دیا گیا۔ اور عمرو بن الحمق الخزاعی کا جو اسلامی نقطۂ نظر سے بڑا درجہ رکھتے تھے۔ سر قلم کر کے نیزے پر بلند کیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا۔ کہ اسلام کا نظریۂ روحانیت وللہیت فنا ہونے لگا۔ اور مسلمانوں میں بھی طاقت حق ہے کا عملی طور پر کلمہ پڑھا جانے لگا۔ حق پرستی ختم ہوئی۔ آزادی ضمیر رخصت ہوئی۔ ایمان اور اعتقاد روپہلے اور سنہرے سکوں پر بیچا جانے لگا۔ اور مادی اقتدار کے طاغوت کی پرستش ہونے لگی۔

یہ حالات جب بھی برداشت کئے جانے کے قابل تھے۔ کہ معاویہ کی جانب سے اس شرط کی مخالفت نہ ہوتی۔ کہ انکو اپنے بعد کسی جانشین کے نامزد کرنے کا حق نہ ہوگا۔ امام حسنؑ نے بڑی عاقبت اندیشی اور انجام بینی سے یہ شرط قرار دی تھی۔ مگر اموی سیاست اپنے مقاصد کے لحاظ سے نامکمل رہتی اگر اس شرط پر عمل کر لیا جاتا۔ اس لئے معاویہ نے بعد کے لئے اپنے بیٹے یزید کو ولیعہد بنایا اور صرف نامزد ہی نہیں کیا بلکہ تمام عالم اسلامی سے بڑی کوشش کے ساتھ یزید کی بیعت حاصل کی گئی۔

یزید کے افعال و اعمال اگر وہ نہ بھی ہوتے۔ جو عام طور سے ہر شخص کو معلوم ہیں۔ تب بھی اس کو ولی عہد بنانا شرائط صلح کے خلاف ہونے کی بنا پر ناجائز تھا مگر مسلمانوں میں اقتدار و طاقت سے مرعوبیت اس درجہ بڑھ گئی کہ کسی کو اس پر توجہ نہ ہوئی۔ اور توجہ ہوتی بھی تو اظہار کی

"حسینی چراغ"

جو ستارہ نکلتا ہے۔ وہ ضرور ڈوبتا ہے۔ جو چراغ جلتا ہے۔ وہ ضرور بجھتا ہے۔ لیکن خود حسینؑ اور ان کا چراغ (اسلام) ۱۰ محرم ۶۱ھ سے کربلا میں اس طرح روشن ہوا۔ کہ اب قیامت تک بھی نہیں بجھ سکتا۔

(فضل)

جرأت نہ تھی۔ آل رسولؐ میں اس وقت بزرگ ہستی حضرت امام حسینؑ کی تھی۔ آپ بنو امیہ کے طرز عمل کو مدت سے محسوس کر رہے تھے۔ کہ وہ کس طرح اسلام کے بنیادی مقاصد کے خلاف ہے اور کس طرح دنیا کو رجعت پسندی اور قدامت پرستی کی طرف لے جا رہے ہے۔ پھر بھی وہ اس کے متوقع تھے کہ شاید یہ صورت حال معاویہ کی زندگی کے اختتام کیساتھ ختم ہو جائے۔ مگر یہ اس انقلابی سیاست کی آخری چال تھی۔ کہ شاہان خود مختار کی طرح اپنے بعد کے لئے اپنے بیٹے کو بغیر اس کے اوصاف کا لحاظ کئے ہوئے نامزد بنا دیا۔ آپ نے اس کو شدت سے محسوس کیا۔ اور اندازہ کیا۔ کہ آپ پر کیا فرض عائد ہوتا ہے معاویہ بھی سمجھتے تھے۔ کہ اس معاملہ میں سب سے زیادہ متعلق انسان حسینؑ ہیں۔ اس لئے انہوں نے آپ کو بلانے کی پوری کوشش کی۔ مگر نتیجہ میں ناکام ہونا پڑا۔ یہ بنی امیہ کے اقتدار کو بڑی کاری ضرب تھی۔ جسے معاویہ کی قوت فراست سمجھ چکی تھی۔ اسے حسینؑ بن علیؑ کا ایک بڑا تدبر سمجھنا چاہیئے کہ آپ نے اپنے عمل کو سکوت اور بے تعلقی تک محدود رکھا۔ آپ جانتے تھے کہ فریق مخالف اس سکوت کو توڑنے میں انتہائی تشدد سے کام لے گا جس کے لئے آپ تیار تھے۔ مگر آپ یہ نہ چاہتے تھے۔ کہ آپ کی طرف کسی جارحانہ اقدام یا بغاوت و شورش کا الزام عائد کیا جا سکے۔

معاویہ بڑے جہاندیدہ انسان تھے۔ وہ حسینؑ کے اس سکوت کو اپنے اقتدار کی شکست کا مترادف سمجھکر بے چین تھے لیکن وہ جانتے تھے۔ کہ اگر ہم سختی کریں گے۔ تو وہ اس شکست کی

انتہائی تکمیل ہوگی۔ اس لئے حسینؑ چاہتے تھے۔ کہ میں خاموش رہوں۔ اور حریف تشدد سے کام لے۔ اور معاویہ کا مطلب تھا۔ کہ ہم تشدد سے علیحدہ رہیں۔ اور حسینؑ کی خاموشی قائم نہ رہے۔

یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ کربلا کی جنگ یہیں سے شروع ہوتی ہے۔ مگر یہ ایک صبر آزما اور روحانی کشمکش تھی۔ جو نہ معلوم کب تک جاری رہتی۔ اگر معاویہ کا رشتہ عمر قطع نہ ہوتا۔ اور نو عمر ناتجربہ کار عزور سلطنت سے بدمست یزید تخت سلطنت پر نہ بیٹھتا۔

حسینؑ کی بیعت سے علیحدگی اور خاموشی معاویہ کو بھی اتنی ہی شاق تھی جتنی یزید کو۔ مگر معاویہ کو تشدد کے نتیجہ کا اندازہ تھا اور یزید کو نہ تھا۔ یزید نے حسینؑ کی خاموشی کو طاقت و اقتدار سے توڑنا چاہا۔ اور بجبر آپ سے بیعت لینے کی خواہش کی۔

ولید بن عقبہ جو مدینہ میں اس کا گورنر تھا۔ اسے وفات معاویہ کی اطلاع کیساتھ ہی یہ پیغام بھیجا۔ کہ جلد سے جلد حسینؑ بن علیؑ سے میری بیعت لو۔ اگر بیعت نہ کریں تو ان کا سر قلم کر کے بھیج دو۔ یہ تھا وہ پہلا اقدام تشدد کا جو یزید کی طرف سے اٹھایا گیا۔ اور اگر ولید اس حکم کی پوری تعمیل کرنا چاہتا تو مدینہ ہی کربلا بن جاتا۔ امام کے سامنے اس مطالبہ کا اسطرح پیش ہونا گویا حسینی تدبر کی پہلی فتح اور اموی سیاست کی ابتدائی شکست تھی۔ اس نے سمجھا تھا کہ حسینؑ کی بیعت سے علیحدگی ایک وقتی بات ہے۔ جو اس دھمکی سے فوراً قبول بیعت سے تبدیل ہو جائے گی۔ اور حسینؑ نے جو راستہ اختیار کیا تھا۔ وہ سوچ سمجھ کر اس کے تمام آخری نتائج کا اندازہ کر لینے کے بعد اختیار کیا تھا۔ وہ دیکھ رہے تھے۔ کہ اسلامی مقاصد حدود و امتیازات میں کسطرح تبدیلی ہو گئی ہے۔ مگر اس پر ابھی تک ظاہری اسلام کا پردہ پڑا

حسینؑ پیغام

سچائی اور دیانت داری کے لیئے دنیاوی مشکلات کی پرواہ نہ کرو۔ اگر بلند مقاصد کا تحفظ جان دینے پر موقوف ہو۔ تو جان اور اپنی ہر عزیز چیز اس راستے میں قربان کر دو

—— تمہاری انسانیت ——

کا یہی جوہر ہے

ہوا تھا۔ اس لئے عام اشخاص اس کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتے۔ حسینؑ چاہتے تھے کہ فریق مخالف کو تشدد کے آخری درجوں پر پہنچا کر اس کے غیر انسانی جذبات کو اس طرح نمایاں ہونے کا موقع دیں کہ عوام کو اس کا قوی احساس پیدا ہو جائے اور آنکھوں کے سامنے سے پردے ہٹ جائیں۔

امام حسینؑ کے لئے اپنے مقصد کے حصول کا سوائے اس کے کوئی ذریعہ ہی نہ تھا۔ یہ تو ممکن تھا۔ کہ وہ اپنی جان بچا لیتے۔ مگر جان کو بہرحال بچانا ہوتا۔ تو وہ شروع ہی سے بیعت سے انکار نہ کرتے جان کا بچانا انہیں مدنظر تھا۔ اسی حد تک کہ ان کے اصول اور مقصد کا بھی تحفظ ہو۔ لیکن اگر مقصد کا تحفظ جان کے دینے پر موقوف ہو۔ تو پھر ان کے نزدیک جان کا دیدینا آسان امر تھا۔ مقصد کے لئے صرف دو طریقے ہو سکتے ہیں۔ ایک فریق مخالف سے مل کر شرائط صلح کے ذریعہ سے دوسرے جنگ کر کے فتح و غلبہ حاصل کر کے یہ دونوں طریقے امام کیلئے ناممکن تھے۔ صلح کی منزل خود امام حسنؑ طے کر چکے تھے۔ اور شرائط صلح کی مخالفت ہی اب وہ صورت حال تھی۔ جو امام حسینؑ کے سامنے تھی۔ حالانکہ معاویہ اپنے کردار کے ذریعہ سے بہ نسبت یزید کے کہیں اونچا درجہ رکھتے تھے۔ پھر جب معاویہ کے ساتھ مصالحت نتیجہ میں ناکام ہوئی۔ تو یزید کے ساتھ مصالحت کے کیا معنی؟ جبکہ یزید کے افعال وہ تھے۔ جو کھلم کھلا اسلامی اصول و قوانین کے ساتھ جنگ رکھتے تھے۔ یہاں اسلام کے ظاہری رسوم نماز روزہ وغیرہ کا بھی پتہ نہ تھا۔ اور نکاح و ازدواج کے اصول و قوانین کی بھی مراعات نہ تھی۔ اور اسلام کے منہیات مثلاً شراب وغیرہ کا ظاہر بظاہر ارتکاب تھا۔ اور اس کے ساتھ اسلامی خلافت کا دعویٰ تھا

موجودہ حالت میں اگر حسینؓ بھی جوکہ اسلامی تمدن کے محافظ تھے یزید کی بیعت کر لیتے۔ اور مصلحت سے کام لیتے تو یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ اسلام کا تمدن و تہذیب اور اصول معاشرت مستقل طور سے یہی بن جاتا۔ کہ جس طرف بنی اُمیہ کی سیاست لئے جب رہی تھی۔ اور جس کا یزید اپنے وقت میں بہترین نمونہ تھا۔

کہنے والے کہہ سکتے ہیں۔ کہ حسینؓ کے واقعہ شہادت کے بعد بھی تو بہت سے سلاطین انہیں افعال کے مرتکب ہوتے رہے جن کا یزید ارتکاب کرتا تھا۔ مگر یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ حسینؓ کی مقاومت نے اسلام کے تمدن و اصول کو نمایاں کر دیا۔ کہ اب اسکے خلاف جو افعال ہوتے تھے۔ وہ بالکل انفرادی اور شخصی جرائم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور ان [illegible] اثر افراد جامعہ پر نہیں پڑتا۔ یہ خطرہ اب ہمیشہ کیلئے دور ہو گیا ہے۔ کہ حق کا اسلام کا مستقل اصول اور طریق معاشرت سمجھ لیا جائے۔ کیونکہ حسینؓ اور ان کے ساتھیوں نے اسلام کے حقیقی اخلاق کا کربلا میں نہ مٹنے والا نمونہ پیش کر دیا اور اس کی آئینی اہمیت کو انتہا درجہ واضح کر دیا ہے۔

اگر اسلام کے دامن پر دھبہ لگانے کے لئے سلاطین بنی اُمیہ و بنی عباس کی مثال پیش کی جائے۔ تو فوراً اسلام کی جانب سے صفائی پیش کرنے کے لئے حسینؓ کا اقدام تاریخ کے صفحات پر سامنے آجاتا ہے۔

یزید اور امام حسینؓ کے مقاصد بالکل مختلف اور متضاد تھے۔ وہ جاہلیت کے [illegible] دور کے پلٹانے کا علمبردار۔ حسینؓ روحانیت اور انسانیت کو قائم کرنے کے ذمہ دار۔ وہ طاقت و اقتدار کا سکہ چلانے کا در پے۔ اور حسینؓ حق و راستی کا علم بلند کرنے پر آمادہ۔ وہ اسلامی حدود و امتیازات کو مٹانے پر

تلا ہوا۔ اور حسینؓ اسلامی امتیازات کو باقی رکھنے پر کمربستہ۔

پھر بتائیے کہ امام حسینؓ اور یزید میں صلح کیونکر ہو سکتی تھی

دوسری صورت یہ تھی۔ کہ آپ طاقت کا مقابلہ طاقت سے کرتے اور فتح و غلبہ حاصل کر کے یزید کو شکست دیتے مگر آپ کو پہلے معلوم ہونا چاہیئے کہ طاقت کے مقابلہ میں آل رسولؐ کے ساتھی بہت کم نکلتے تھے۔ اس طرح کا تجربہ پورے طور پر حضرت علیؑ اور امام حسنؑ کے وقت میں ہو چکا تھا۔

پھر [illegible] تجربہ ثابت ہو چکی تھی۔ کہ اگر آپ فوج [illegible] جنگ بھی کرتے تو [illegible] اس کی واقعی حیثیت تھی اس کے سمجھنے والے بہت کم اور یہ سمجھنے والے زیادہ ہوتے کہ یہ حکومت و سلطنت کی غرض سے دو بادشاہوں کی جنگ ہے۔ اور سیاسی حیثیت سے یزید کا پلہ گراں رہتا۔ اس لیئے کہ وہ بادشاہ تسلیم کیا جا چکا تھا۔ اور حسینؓ کا پلہ سبک ہوتا۔ اس بنا پر کہ وہ ایک باغی کی حیثیت رکھتے تھے۔ اگر اس صورت میں آپ کو فتح حاصل بھی ہوتی جو بظاہر ناممکن تھی۔ تو اس کا اثر ایک وقتی انقلاب سلطنت کی صورت میں ہوتا جس کا اثر دیرپا نہیں رہتا۔ اور بنی امیہ پر جو بظاہر اسلام کا پردہ تھا۔ وہ اب بھی اسی طرح پڑا رہتا۔ جیسے اس سے پہلے تھا۔ اور اگر کچھ لوگ حسینؓ کو حق پر سمجھتے ہیں۔ تو فریق مخالف کو خطائے اجتہادی کا سارٹیفکیٹ دیدیتے۔ جیسا کہ اس کے پہلے صفین کی جنگ میں ہوا۔ اس صورت میں ہوا یہ کہ باطنی حالات کا اس درجہ انکشاف کہ جہاں سے [illegible] آئندہ کے [illegible] میں باقی

سعید جانباز اور زہیر قین
امام کے سامنے کھڑے ہوئے اور نماز ی
امام کے عقب میں
اس طرح کربلا والوں نے ثابت کر دیا۔ کہ
خدا کے نزدیک
مجاہد مصلّی سے افضل ہے

نہ رکھے ہرگز نہیں ہوسکتا تھا اور جب تک ان سے نفرت انتہائی درجہ پر پیدا نہ ہوتی۔ اس وقت تک ان امتیازات و حدود کی مکمل شکست نہیں ہوسکتی تھی۔ جنہیں بنی امیہ نے عملی طور پر قائم کرنا چاہا تھا۔

معلوم ہوا کہ تبلیغ بھی ناممکن، جنگ بھی بے سود، اب تیسرا راستہ کون سا تھا۔ وہی جسے حسینؓ نے اختیار کیا۔ اور اگر حسینؓ اختیار نہ کرتے تو اس کا تصور بھی ہمارے لئے دشوار ہوتا۔

آپ نے اقتدار کا مقابلہ بے بسی سے، کثرت کا مقابلہ وحدت سے اور ظلم کا مقابلہ مظلومیت کے ساتھ کیا۔ اور یہ وہ طریقہ جنگ تھا۔ جس کا مشاہدہ اس سے پہلے دنیا نے نہیں کیا تھا۔ آپ کی نظر میں فتح و شکست کا مفہوم بالکل جداگانہ تھا۔ فتح کے معنی یہ نہ تھے کہ آپ دشمن کی فوج کو پامال کرکے اس کے ملک پر قبضہ کرلیں۔ اور شکست کے یہ معنی نہ تھے کہ آپ کے ساتھ والے سب ختم ہو جائیں اور آپ بھی قتل ہو جائیں۔

آپ کے نزدیک فتح کے یہ معنی تھے کہ کہاں تک آپ اپنے اصول کی حمایت میں مصائب کا زیادہ مقابلہ کرتے ہیں اور کہاں تک آپ کا دشمن اپنے مقاصد کے حصول میں زیادہ تشدد سے کام لیتا ہے۔ دشمن کے تشدد [illegible] آپ کی [illegible] تھا۔ جتنا [illegible] اس کا انتہائی تشدد اور اقدام حسینؓ کی اپنے مقصد کے [illegible] آپ کی فتح تھی۔

اسی اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے حسینؓ نے اپنے ساتھ بڑا سامان کیا تھا۔ طاقت کا مقابلہ طاقت سے کرنا ہوتا تو فوج و لشکر کی تعداد میں اضافہ کرتے۔ انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ تعداد کو حتی الامکان زیادہ سے زیادہ مختصر بنایا۔ مگر انہوں نے اپنے ساتھ ایسے عابد و زاہد اور پارسا لوگوں کو لیا جن کی نیکی اور پاکدامنی زہد و تقویٰ کا سارے ملک میں کلمہ پڑھا جاتا تھا۔ انہوں نے ایسے بوڑھے اپنے ساتھ لئے جن کی بھویں لٹک کر آنکھوں تک آگئی تھیں۔ اور انہوں نے ایسے جوان اپنے ساتھ لئے جن کے شباب اور حسن و جمال کا نظیر نہ تھا۔ کچھ ایسے بچے بھی ساتھ لئے جن کے ہاتھوں میں تلوار اٹھانے کی طاقت نہ تھی بلکہ گہوارے میں لیٹے ہوئے شیرخوار بچے تک کو اپنے ساتھ لیا اور پردہ نشین عورتوں کو جو رسول اللہؐ کے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ [illegible] رسولؐ کی حقیقی نواسیاں بھی موجود تھیں اپنے ساتھ لیا۔

تم [illegible] سمجھ سکتے ہو کہ حسینؓ کا مقصد کیا تھا اور وہ کس طرح اپنے مخالف سے جنگ کرنا چاہتے تھے۔ یاد رکھو کہ حسینؓ کے ساتھ یہ وقتیں نہیں تھیں۔ [illegible] حسینؓ بنی امیہ کے قصر استبداد کے [illegible] انتہائی [illegible] سمجھتے تھے اور یقیناً ان کا خیال صحیح تھا۔ امام حسینؓ کے لئے بہترین اور مفید ترین یہی راستہ تھا۔ اور اس کے علاوہ کوئی طریقہ نہ تھا۔

روحانیت اور مادیت کا تصادم

علامہ جعفر حسین ۔ گوجرانوالوی

الحاد کی آندھیاں قہر و جبر کی طوفان خیزیاں روحانیت کے پائے استقلال میں جنبش اور عزم راسخ میں تزلزل پیدا نہیں کر سکتیں نہ افراد کی کثرت نہ اسلحہ کا طومار اس کی راہ میں حائل ہو سکتا ہے۔ نہ ظاہری طمطراق اور شان و شکوہ سے اسے مرعوب کیا جا سکتا ہے۔ وہ قلت و بے سروسامانی کے باوجود دب کر ابھرتی ہے۔ اور مادیت کی... فلک بوس عمارتوں کو خاک کا ڈھیر کر دیتی ہے۔ مادی قوتیں لاکھ ظلم و استبداد کے ہتھیاروں سے آراستہ ہو کر سطوت و جبروت کے جلو میں مسمار روحانیت کو متزلزل کرنے کے لئے آگے بڑھیں۔ مگر اس کی مستحکم بنیادیں کوہ آسا اپنے مقام پر جمی رہیں گی بدو عالم سے مادیت روحانیت سے ٹکرانے کے لئے آگے بڑھتی رہی۔ مگر ہر موقعہ پر اس کی عظمت و ہیبت کے سامنے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئی۔ اور اس کے ایک اشارے سے سالہا سال کی جمع کی ہوئی مادی طاقتیں منتشر ہو کر رہ گئیں۔

جس دن حکومت الٰہیہ کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اور فانوس خاکی میں نفخت فیہ من روحی کی صدا نے شمع روحانیت کو روشن کیا مادیت ابلیسی پیکر میں اس سے متصادم ہوئی۔ مگر آخر اعتراف کیا کہ عباد مخلصین میرے نشانہ کی زد سے باہر ہیں۔ نا خدائے سفینہ روحانیت حضرت نوحؑ پر مادیت نے کیا کیا آندھیں نہ کئے۔ مگر اپنے بچاؤ کے لئے پہاڑ کی سربلند چوٹیاں منتخب کر لینے کے بعد بھی غضب کی لپیٹ میں آنے سے نہ بچ سکی۔ عصا بردار روحانیت حضرت موسیٰؑ کے سامنے فرعونیت انا ربکم الاعلیٰ کے نعرے لگاتے ہوئے آئی۔ مگر نیل کی موجوں نے اسے بھی فنا کے گھاٹ اتار دیا۔ خلیلؑ کے آگے نمرودیت نے سر اٹھایا۔ تو اسے بھی کچل دیا گیا۔ تاجدار روحانیت حضرت ختمی مرتبت کے مقابلہ میں مادیت کبھی ابوسفیان کے پیکر میں کبھی ابوجہل کی شکل میں کبھی ابولہب کی صورت میں اٹھی۔ مگر الا ان حزب اللہ ہم الغالبون کی آواز نے فتح و ظفر کا سہرا آپ ہی کے سر اقدس پر باندھا امیر المومنین کے مقابلہ میں مادیت حکومت شام کے نشہ میں سرشار ہو کر نبرد آزما ہوئی۔ مگر غالب علی کل غالب کے سامنے اسے بھی مغلوب ہونا پڑا۔ حسین علیہ السلام کے مقابلہ میں جب مادیت یزیدی لباس میں پورے کر و فر سے اٹھی۔ اور اجماعی و استخلافی و شورائی خلافتوں کے دور دیکھنے والوں کو استبدادی صورت میں بھی نیابت پیغمبر کا دھوکا دیا جانے لگا۔ تو یہ حافظ ناموس شریعت مادیت کو بیخ و بن سے اکھیڑ دینے کے لئے اعلانیہ انکار بیعت سے بنیادی غلطی کی طرف متوجہ کرنے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ اور اپنے اس عمل سے ظاہر کر دیا۔ کہ بیعت عامہ کے حصول کے بعد بھی خود ساختہ حکومتیں قابل تسلیم نہیں ہو سکتیں۔ اور نہ ہر اس شخص کو جو مسند رسولؐ پر خواہ کسی حیثیت سے بیٹھ جائے خلیفۃ الرسولؐ کہلانے کا حقدار سمجھا جا سکتا ہے یہی روحانیت کا وہ بےنظیر اقدام تھا۔ جس نے شاہراہ حق کی طرف عالم کی نگاہوں کو موڑ دیا اور اپنے اس مختصر کارنامے سے نہ صرف قصر یزیدیت بلکہ بہت سی بلند عمارتوں کو خاک میں ملا دیا۔ امام علیہ السلام نے حکمران حقیقی کا پتہ دینے اور یزیدی کردار کا جائزہ لینے کے لئے حضرت مسلم کے ہاتھ اہل کوفہ کو اپنے ایک نامہ میں تحریر فرمایا۔ ما الامام الا الحاکم بالکتاب القائم بالقسط الدائن بدین الحق الحابس نفسہ علی ذات اللہ (امام برحق وہ ہے۔ جو کتاب اللہ کے موافق حکم کرے۔ اور عدل و انصاف پر حکومت کی نیو رکھے۔ اور دین حق پر گامزن ہو۔ اور اپنی ذات کو رضائے الٰہی کے لئے وقف کر دے) انکار بیعت کے بعد حسین علیہ السلام کو اس بات کا اندازہ تھا کہ یزیدیت حسینیت کو دبانے کے لئے ہر ممکن حربہ استعمال کرے گی اور اسے کمزور کرنے کے لئے کوئی کسر اٹھا نہ رکھے گی۔ اگر امام علیہ السلام چاہتے۔ تو خوش آئند مستقبل دکھا کر ایک جماعت کثیر اپنے ساتھ ملا

سکتے تھے۔ مگر روحانی طاقت مادی اسباب اور کثرت سے بہت نہیں ڈھونڈھا کرتی وہ انصار سے بے نیاز اسباب سے مستغنی ہوکر آگے بڑھتی ہے۔ حسینؑ کو چونکہ اپنی روحانی قوت پر اعتماد اور اپنے ثبات قدم پر پورا وثوق تھا۔ باوجود ان سب خطرات کے جو آپ کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھے کوئی ایسا اقدام نہیں کیا جس سے اپنی قوت بڑھانے [illegible] دشمن کی طاقت [illegible] دینے کی سعی کرتے۔ بلکہ [illegible] وہ افراد جو آزمودہ کار [illegible] فنون حرب تھے جن کی شجاعت کی دھاک عرب پر بیٹھی ہوئی تھی [illegible] سے الگ کرکے وقار روحانیت اور شان استغنا کو برقرار رکھا۔

محمد بن حنیفہ جو امیر المومنین کے ساتھ جنگوں میں شریک ہوکر فنون حرب میں پوری مہارت حاصل کرچکے تھے۔ اور اپنی تلوار کے جوہر اس طرح دکھا چکے تھے کہ لسان اللہ کی زبان سے بھی اپنی توصیف سن چکے تھے جسمانی قوت کا یہ عالم تھا۔ کہ ایک زرہ جو آپ کے قد وقامت سے بڑھی تھی۔ اس کے زائد حصہ کو ہاتھ سے دبا کر توڑ دیا مگر سید الشہدا نے سفر عراق کے وقت یہ فرما کر یا اخی تکون عینا لی فی المدینۃ تکتب الی بالاخبار وبما یکون الناس علیہ لبعدی۔ (بھائی تم میری طرف سے مدینہ کے حالات کے نگران رہو۔ اور یہاں کے امور کی مجھے اطلاع دو۔ اور میرے بعد جو لوگوں کے خیالات ہوں اس کی خبر دیتے رہنا) انہیں مدینہ رہنے پر مجبور فرمادیا۔ اسی طرح عبداللہ بن جعفر کو بھی مدینہ میں رہنے دیا تاکہ مدینہ میں کوئی با اقتدار معتمد علیہ ہستی موجود رہے۔ جو [illegible] بنی ہاشم سے [illegible] تصادم کرسکے۔

مسلم ابن عقیل [illegible] جن کی قوت [illegible] کا اندازہ ارباب سیر کے اس جملے سے ہوسکتا ہے۔ لقد کان من قوتہ انہ یاخذ الرجل بیدہ فیرمی بہ فوق البیت۔ (آپ کے بازوؤں میں اتنی طاقت تھی کہ دشمن کو ہاتھوں پر اٹھا کر مکانوں کی چھتوں پر پھینک دیتے تھے) جب محمدؐ بن اشعث کی قیادت میں پانچ سو افراد کا ایک رسالہ آپ کو طوعہ کے مکان سے گرفتار کرنے کے لئے آیا ہے تو آپ گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سن کر تن تنہا تلوار لے کر باہر نکل آئے۔ اور اس طرح ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ کہ اس ایک فرد کے سامنے اس کثیر فوج کے قدم اکھڑ گئے۔ اور جب سردار فوج نے ابن زیاد سے مزید مدد کا مطالبہ کیا۔ تو ابن زیاد نے کہلوا بھیجا۔ کہ تعجب ہے تم ایک شخص کے مقابلہ میں تم کامیاب نہ ہوسکے۔ اور جب وہ نذر رسولؐ سے [illegible] تو کیا کروگے۔ [illegible] محمدؐ بن اشعث نے کہلوا بھیجا۔ کیا تم نے مجھے کسی بقال کو فہ کے مقابلہ میں بھیجا ہے تم نہیں جانتے کہ وہ بنی ہاشم کا شیر ہے۔ ابن زیاد نے [illegible] اور فوج بھیجی۔ مگر آپ کو مغلوب کرنے میں کامیاب نہ ہوسکی۔ آخر [illegible] ایک گڑھے میں گرا کر آپ کو گرفتار کیا گیا۔ ایسی صورت میں جبکہ امامؑ کو دشمن کی طرف سے ہر وقت خطرہ تھا۔ ظاہری مصلحت کا اقتضا یہ تھا کہ ایسے جاں نثار اور بہادر ابن عم کو اپنے سے جدا نہ کرتے مگر حسین علیہ السلام نے اس کا مطلق خیال نہ کیا۔ کہ مسلم کے الگ کر دینے سے ان کی قوت کمزور ہو جائے گی۔ اسی طرح راستے میں جب شہادت مسلم کی خبر ملنے پر لوگ وقتاً فوقتاً چھٹنے شروع ہوگئے۔ تو حسینؑ نے انہیں روکنے کے لئے ایک کلمہ بھی اپنی زبان سے نہ فرمایا۔ بلکہ شب عاشور کیا اپنے کیا بیگانے سب سے کہدیا۔ کہ اس رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا [illegible] انجام تمہیں نظر آرہا ہے

جمعہ دل چاہے چلے جاؤ۔ آخر اپنی جانوں کو بچا کر چل دیئے۔ مگر امام پر اس کا کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ مگر وہ لوگ جو مرنے کا پختہ فانی عزم رکھتے تھے امام کے ساتھ رہے تھے۔ جو موت میں روحانی مسرت اور فنا میں حیات ابدی سمجھتے تھے۔ جو موت کو لقا ہوتے ہوئے سامنے دیکھتے ہوئے بھی پلٹنے کے لئے رضامند نہ ہوتے تھے۔ شرف نصرت امام اور فخر شہادت حاصل کرنے کے لئے رہ گئے۔

ادھر حسینؑ نے آخر تک اپنی قوت بڑھانے کا کوئی اہتمام نہ کیا۔ ادھر یزید نے پوری کوشش اپنی طاقت بڑھانے اور حسینؑ کی قوت کو گھٹانے کے لئے صرف کر دی۔ حسینؑ کے قیام مدینہ کی صورت میں یزید کو یہ اندیشہ تھا کہ یہ چونکہ امام علیہ السلام کا مرکز ہے اور یہاں کے رہنے والے ان کی ذاتی وجاہت اور خاندانی اقتدار کے زیر اثر ہیں۔ ظاہر بظاہر ان سے متاثر ہونے کی صورت میں [illegible] میں بہت سی دشواریاں [illegible] ہو جائیں گی۔ چنانچہ مروان نے مطالبہ بیعت کے وقت [illegible] ولید سے کہہ بھی دیا تھا کہ [illegible]

حسینا یخرج من عندک بلا بیعۃ فیکون اولی منک بالقوۃ وتکون اولی منہ بالضعف۔ والی امیر حسینؑ کو اس وقت بیعت کئے بغیر جانے دیا جاتا۔ اس لئے کہ اگر انہوں نے اس وقت بیعت نہ کی۔ تو پھر ان کی قوت کے سامنے سپر انداختہ ہونا پڑے گا۔ [illegible] اور اسی سبب سے حاکم مدینہ نے امام کو اپنے گھر بلا کر بیعت کی درخواست کی۔ اور سمجھ لیا کہ عام [illegible] بیعت کے مطالبہ کی جرأت نہ کر سکا۔

ایسی صورت میں یزید کے لئے حسینؑ کو بغیر کسی ہنگامے کے قتل کرا دینا یا انہیں ان کے مرکز سے ہٹا کر ان کی قوت کو کمزور کر دینا ہی مفید تھا۔ لہٰذا مروان کے ذریعہ سے ایسی سازشیں شروع کر دی گئیں۔ حسینؑ ان سازشوں سے بے خبر نہ تھے۔ وہ جان چکے تھے کہ جب بھی ان کو موقع ملا قتل سے دریغ نہ کریں گے۔ اور بس اہم کو لے کر امام مظلوم اٹھے تھے وہ ہنوز تشنہ تکمیل تھا۔ اسلئے مدینہ چھوڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ اور چپکے سے مکہ کی طرف چل دیئے۔ جو اس وقت موسم حج کی وجہ سے اکناف عالم کے مسلمانوں کو اپنے دامن میں لئے ہوئے تھا۔ جب فرزند رسولؐ کے ورود کی خبر مکہ میں منتشر ہوئی۔ اور شمع شبستان حرم کی چھوٹ سے شہر کے در و دیوار جگمگا اٹھے تو مسلمان پروانہ وار ٹوٹ پڑے۔ اور طواف کعبہ کرنے والے امام کے گرد جمع ہونے شروع ہو گئے۔ اور حجر اسود کی طرح آستانہ بوسی کو بھی ارکان حج میں داخل کر لیا۔ ابن زبیر جو ان دنوں وہیں تھا۔ اور در پردہ اپنے لئے بیعت کا طالب تھا حسین کی موجودگی کو اپنے مقاصد کے حصول میں سنگ راہ سمجھنے کے باوجود بہ ظاہر دوسرے تیسرے دن خدمت امام میں باریاب ہوتا تھا۔ مرکز اسلامی میں حسینؑ کا اس طرح مرکز توجہ بن جانا ایسی بات نہ تھی جس کی خبر یزید کو ہوتی اور وہ خاموش رہتا۔ چنانچہ یہاں بھی ایک ایسی جماعت تیار کر دی گئی۔ جو احرام حج باندھ کر امام علیہ السلام کو قتل کرے۔ جس کی وجہ سے سید الشہداء قبل اتمام حج وہاں سے نکل کھڑے ہوئے۔ چنانچہ امام علیہ السلام سے راستے میں فرزدق نے حج چھوڑ کر نکل آنے کی وجہ دریافت کی۔ تو فرمایا۔ لولم اعجل لاخذت (اگر میں جلدی نہ کرتا تو ان کے ہاتھوں سے بچ نہ سکتا تھا) ان حالات میں جب بلد امین بھی حسینؑ کے لئے مامن نہ بن سکا۔ تو کوفہ چونکہ ان کے پدر بزرگوار کے احسانات سے دبا ہوا تھا۔ اور جناب مسلم اور روسائے کوفہ کے خطوط سے ان کی آمادگی نصرت کا بھی پتہ چل سکتا تھا۔ حسینؑ نے سیدھا وہیں کا رخ کیا۔ مگر حسینؑ کے

> حسینؑ اپنے باغ کا سب سے نازک پھول (علی اصغر) چلچلاتی دھوپ میں لے کر یزید کی فوجوں کے سامنے یہ کہتے ہوئے آئے۔ "پانی دو۔ ورنہ یہ پھول خشک ہو جائیگا"
> حرملہ کے تیر نے کہا اپنے خون سے سینچو۔
> حسینؑ نے آسمان کو دیکھا
> آواز آئی — صبر کرو۔ تمہارا باغ قیامت کی صبح تک مہکتا رہے گا۔
> (فضل)

پہنچنے سے پہلے ہی ابن زیاد نے تلوار کی چمک اور متاعِ دنیا کی دلفریب جھلک سے انہیں عہد شکنی پر آمادہ کر دیا۔ اور تمام زوشام کے راستوں پر پہرے بٹھا کر حسینیؑ سپاہ کو ایک چٹیل میدان میں گھیر کیا دس امویت کے خونخوار درندوں کو ہر چار طرف سے جمع کر کے زور و تمکنت اور کثرت کی نمائش سے امام کو مرعوب کرنا چاہا۔ مگر جب حسین علیہ السلام کے پائے استقلال میں جنبش اور جبین عزم پر شکن نہ دیکھی۔ تو اس ذلیل اور انسانیت سوز حربے پر اُتر آئے جو صفین کے میدان میں امیر شام نے دریا پر قبضہ جمانے کے بعد استعمال کیا تھا۔ یعنی فرات پر پہرہ بٹھا کر حسینؑ اور ان کے ساتھیوں پر پانی روک دیا۔ اور یہ سمجھ لیا کہ سورج کی ان آتش بار کرنوں اور چلچلاتی دھوپ میں اگر حسینؑ اور ان کے کمسن بچوں کو پانی نہ ملا۔ تو وہ یزید کی طرف جھکنے کے لئے مجبور ہو جائیں گے۔ مگر انہوں نے دیکھ لیا۔ کہ قوی کا اضمحلال حسینؑ کی روحانیت کو کمزور نہ کر سکا۔ اور بچوں کی صدائے العطش حسینؑ کو ایک فاسق کے سر دروازے پر سر نہ جھکا سکی۔

جب پانی روک دینے سے بھی امامؑ کے قدم نہ ڈگمگائے اور اسی حالت تشنگی میں تیسرا دن صبح عاشور کی صورت میں نمودار ہوا۔ تو یزیدیوں نے حسینؑ کے جانباز سپاہیوں پر حملہ کر دیا۔ کچھ مجاہد ظہر سے پہلے کچھ عین حالت نماز میں اور کچھ بعد نماز دم توڑ توڑ کر رخصت ہوئے۔ مگر عزم حسینی اسی طرح قائم رہا۔ اس کے بعد امام کے جگر پاروں کی باری آئی۔ کوئی منت کر کے اجازت مانگتا۔ کوئی پانی لانے کے بہانے سے اجازت لیتا۔ کوئی باپ کی وصیت یاد دلا کر اجازت طلب کرتا۔ کوئی کمسن یہ کہہ اٹھتا۔ کہ مولا اگر آپ نے اجازت نہ دی۔ تو مادرِ گرامی خفا ہوں گی۔ حسینؑ ایک ایک کو

> یزید کی مخمور تمنائیں، شمر کا زہر یلا خنجر، پسر سعد کے مسموم ارادے۔ سنان ابن انس کی نکیلی سنان۔ حرملہ کے فولادی تیر ————— کفر کی تبلیغ کر رہے تھے
>
> حسینؑ کی واحدنیت نما آنکھیں، علی اکبر کا شیرانہ دل، عباس کی پُرسکون وفائیں، قاسم کے تیور۔ حبیب و زہیر قین کا عزم ————— اعلان حق کر رہا تھا۔
>
> آج کے سورج سے پوچھو فتح کس کی ہوئی؟ (فضل)

اجازت دیتے۔ اور اپنی آنکھوں سے کسی کے بازو کٹتے کسی کے کلیجے پر برچھی لگتے۔ کسی کو رَن میں تڑپتے کسی کو پامال سم اسپاں ہوتے دیکھتے۔ مگر زبان سے اُف نہ کرتے۔ چہرے پر آثار ملال کیسے بلکہ ہر نئی مصیبت پر رُخ انور کا رنگ دمکنے لگتا تھا جس طرح ایک ایک مجاہد کے خون سے شجر اسلام میں تازگی آ رہی تھی اسی طرح محافظ دین کے چہرے پر شادابی کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔

جب امام مظلوم کی حمایت کے لئے کوئی تلوار اٹھانے والا نہ رہا تو خود شمشیر بکف میدان میں آئے۔ اور اس طرح حملہ کرتے ہوئے آگے بڑھے۔ کہ تیس ہزار فوج کے قدم جم نہ سکے۔ اور پیاس کی شدت میں اس بے یار و مددگار نے جرأت و استقلال کا وہ بے نظیر کارنامہ دکھایا جو بیشک انسانی معجزہ کہے جانے کا مستحق ہے۔ جب کھلے میدان میں اشقیاء کو اپنی کامیابی کی صورت نظر نہ آئی۔ تو چاروں طرف سے نرغہ کر لیا۔ کچھ تلواریں لئے تھے۔ کچھ نیزے اٹھائے ہوئے تھے۔ کچھ دور سے تیر اندازی کر رہے تھے اور کچھ جھولیوں میں پتھر بھرے ہوئے تھے۔ اور یہ بیچ میں سچائی کا مبلغ انسانیت کا نگراں۔ دین کا حافظ۔ صداقت و انسانیت دین و مذہب کی سپر بنا کھڑا تھا۔ ہر وار کو اپنے سینہ و دل پر روک کر ان چیزوں پر آنچ نہ آنے دیتا تھا۔ اور آخر اپنے خون سے کربلا کی تپتی ہوئی زمین پر ایسا غیرفانی نقش ثبت کر دیا۔ جو ہمیشہ آپ کے مقصد کی ترجمانی کرتا رہے گا۔ حسینؑ کا یزید کو شخصی حیثیت سے فنا کرنا مقصد نہ تھا۔ کہ امام علیہ السلام کو ناکامیاب سمجھا جائے۔ بلکہ یزیدی کردار کو فنا کرنا مقصود تھا۔ اور حسینؑ کو اس میں پوری کامیابی ہوئی۔ حسینؑ نہ رہے۔ مگر حسینیت اب تک زندہ ہے۔ یزید مٹ گیا۔ مگر یزیدیت فروغ نہ پا سکی۔

مولانا سید محمد رضی زنگی پوری

"یقین" جو ایمان کامل کا مرتبہ ہے۔ افراد نوع انسانی میں نادر الوجود ہے۔ حدیث میں ہے۔ ما من شئی اعز من الیقین یعنی کوئی چیز یقین سے زیادہ کمیاب و نادر الوجود نہیں ہے۔ اسی طرح دوسری حدیث میں ہے۔ فما اوتی الناس اقل من الیقین وانما تمسکتم بادنے الاسلام فایاکم ان ینفلت من ایدیکم۔ یعنی یقین لوگوں کو بہت کم ملا ہے۔ تمہارے ہاتھوں میں محض پست درجہ کا اسلام ہے۔ اس کا خوف رکھو کہ کہیں وہ بھی تمہارے ہاتھوں سے نکل نہ جائے۔

عام طور سے جس کو یقین کہا جاتا ہے۔ وہ یقین سے مشابہ ایک کیفیت ہوتی ہے۔ جس کو زیادہ سے زیادہ حسب اصطلاح علماء "ظن اطمینانی" کہا جا سکتا ہے یعنی "ظن" کا وہ اعلےٰ مرتبہ جو قریب مرتبہ یقین ہونے کی وجہ سے باعث سکون نفس و اطمینان قلب ہو جاتا ہے۔ یہ مرتبہ تقلید کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ اور مخالف اسباب کے حملوں کے بعد متزلزل و خلل پذیر ہو جایا کرتا ہے۔ سرور عالم نے جن لوگوں کی بابت فرمایا تھا۔ الشرک فیکم اخفےٰ من دبیب النمل (شرک تمہارے اندر ایسی چال سے چل رہا ہے جو چیونٹی کی رفتار سے بھی زیادہ مخفی ہے) وہ زیادہ سے زیادہ اسی ظن اطمینانی تقلیدی کے درجہ پر پہنچ سکتے تھے۔ یہ ان کی بابت حسن ظن کی آخری حد ہے۔ جو کسی سلیم العقل کے دل و دماغ میں ہو سکتی ہے

کتاب الٰہی میں درجات یقین کا تذکرہ ایسے عنوان سے کہا گیا ہے۔ جس سے اُن کے حصول کے ذرائع پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ ایک مقام پر ارشاد ربانی ہوا ہے۔

لو تعلمون علم الیقین لترون الجحیم ثم لترونها عین الیقین۔ (سورہ تکاثر)

اگر تم کو علم الیقین ہوتا۔ (تو کبھی غفلت نہ کرتے) تم ضرور جہنم کو دیکھو گے پھر تم کو اُس کا عین الیقین حاصل ہو جائیگا۔

پھر دوسری جگہ فرمایا ہے۔

وتصلیة جحیم ان هذا لهو حق الیقین۔ (سورہ واقعہ)

اون کو آتش جہنم میں جلنا ہے۔ بے شک یہی تو حق الیقین ہے۔

ان ارشادات ربانی سے معلوم ہوا۔ کہ یقین کے مدارج یہ ہیں۔ علم الیقین۔ عین الیقین۔ حق الیقین۔ اور معلوم ہوا۔ کہ ہر ایک کے حصول کا ذریعہ دوسرے سے جداگانہ ہے۔

۱۔ علم الیقین:۔ استدلال عقلی و برہان قطعی کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے۔ معرفت الٰہیہ کے لئے تمام عالم حوادث و واقعات اون مواد کی حیثیت رکھتا ہے۔ جن سے نظر عقل برہان عقلی و دلیل قطعی مرتب کر سکتی ہے۔ وفی الارض آیات للموقنین وفی انفسکم افلا تبصرون۔

معرفت الٰہیہ کے حاصل کرنے کا یہی نظری و فکری طریقہ [illegible] عقلوں کے مخصوصات میں سے ہے۔ جن لوگوں کے نفوس میں قوت قدسیہ مبدا فیاض کی جانب سے عطا ہوتی ہیں۔ اُن کے لئے اس کی احتیاج نہیں ہوتی کہ فطرت کے

خزانے میں جو ذخائر مواد فراہم کئے گئے ہیں۔ اُن کو نظر و فکر کی قوت سے ترتیب دے کر استخراج نتائج کریں۔ اور اسطرح سیر نظری و فکری کے ذریعہ سے معارف الٰہیہ تک پہنچیں بلکہ اُن کے علوم وہبی و لدنی ایسے ہوتے ہیں۔ جو حرکت فکری و سیر نظری کے محتاج نہیں ہوتے۔ اون کا حصول دفعیؔ و آنی ہوتا ہے نہ کہ زمانی و تدریجی۔ امام غزالی رسالہ لدنیہ میں لکھتے ہیں۔

والعلم اللدنی یکون لاھل النبوۃ والولایۃ کما کان للخضر علیہ السلام حیث اخبر اللہ تعالیٰ عنہ فقال وعلمناہ من لدنا علما، وقال امیر المومنین علی بن ابیطالب کرم اللہ وجہہ اوخلت لسانی فی فمہ فانفتح فی قلبی الف باب من العلم مع کل باب الف باب وقال لو وضعت لی وسادۃ و جلست علیھا لحکمت لاھل التوراۃ بتوراتھم ولاھل الانجیل بانجیلھم ولاھل القرآن بقرآنھم وھذہ مرتبۃ لاتنال بمجرد التعلم الانسانی بل بھذہ المرتبۃ بقوۃ العلم اللدنی وقال ایضاً رضی اللہ عنہ یحکی عن عھد موسیٰ علیہ السلام ان شرح کتابہ کان اربعین حملاً فلو باذن اللہ لی فی شرح معانی الفاتحۃ لاشرح فیھا حتیٰ تبلغ مثل ذلک یعنی اربعین وقراً۔ وھذہ الکثرۃ والسعۃ والانفتاح فی العلم لایکون الا لدنیا الھیا سماویا۔ ص ۳۰ مجموعہ مسر۔

علم لدنی اہل نبوت و ولایت کو [illegible] ہوتا ہے۔ جیسا کہ خضر علیہ السلام کو حاصل تھا۔ خدا نے اُن کی بابت فرمایا ہے (وعلمناہ من لدنا علما) جناب امیر المومنین علی ابن ابیطالب کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ حضرت نے اپنی زبان جناب [illegible] میں دی۔ تو مجھ پر علم کے ایک ہزار دروازے کھل گئے۔ اور اُن میں سے ہر باب کے ساتھ ایک ہزار ابواب اور مفتوح ہوئے اور حضرتؑ نے فرمایا کہ اگر میرے لئے مسند قضا بچھائی جائے اور میں اُس پر بٹھایا جاؤں تو میں اہل توراۃ کے لئے فیصلہ کروں گا۔ اُن کی توراۃ سے اور انجیل والوں کا فیصلہ اُن کی انجیل سے اور اہل قرآن کا فیصلہ اُن کے قرآن سے۔ یہ مرتبہ محض تعلیم انسانی سے حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ قوت علم لدنی کے ذریعہ سے انسان اُس سے آراستہ ہوتا ہے۔ نیز حضرت نے فرمایا ہے کہ عہد موسیٰ علیہ السلام کی بابت کہا جاتا ہے کہ شرح کتاب موسیٰ چالیس اونٹوں کا بار ہوتی تھی۔ اگر خدا مجھے سورہ فاتحہ کے معانی و مطالب کے بیان کرنے کی اجازت دے۔ تو اُس کی تفسیر اتنی بیان کر سکتا ہوں۔ جو اُسی مقدار تک پہنچ جائے گی۔

یہ کثرت و وسعت [illegible] علم لدنی الٰہی سماوی [illegible]

[illegible] اور لیس۔

[illegible] ذیل آیت پیش کر رکھتے ہیں۔

[illegible] ذلک ان الواصلین الی مرتبۃ العلم اللدنی مستغنون عن کثرۃ التحصیل وتعب التعلیم فی تعلمون قلیلا ویعلمون کثیرا و یتعبون یسیراً ولیستریحون طویلاً۔

علم لدنی کے مرتبہ پر جو لوگ پہنچے ہوتے ہیں۔ وہ کثرت تحصیل اور تعلیم کے تعب سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ وہ تھوڑا پڑھتے ہیں اور زیادہ جانتے ہیں۔ کم تعب اٹھاتے ہیں اور زیادہ راحت پاتے ہیں۔

علی ہذا القیاس وہ تمام نفوس [illegible] جو مرتبہ انبیت سے پست تر ہیں۔ بلحاظ نص قرآنی خدا کے عارف ہیں عابد ہیں اُس کی تسبیح پڑھتے ہیں اور حمد کرتے ہیں۔ مگر اُن کا عرفان اُن کی عبادت اُن کی تسبیح و تحمید فطری ہے۔ سیر فکری و حرکت نظری کا ثمرہ و نتیجہ نہیں۔

۲ :- عین الیقین :- یہ مرتبہ پہلے مرتبہ سے بلند تر ہے اور مشاہدہ عینی کے ذریعہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔ انسان جب شئے کو

حسینؑ

اُن چند خیموں کے چراغ عاشور کی
شام سے پہلے ہی بجھ گئے
لیکن مسلمانوں کے سرگروہ نے قیامت کی
صبح تک کے لئے اُجالا کر دیا

(فیض)

دیکھتا ہے۔ یا اُس کے لوازم و خواص ذاتیہ کا مشاہدہ کر لیتا ہے اُس کے متعلق اس کا جزم و یقین کسی صورت سے قابل زوال نہیں ہو سکتا۔ اس کا چراغ یقین شکوک و اوہام کے طوفانی جھونکوں سے جھلملا نہیں سکتا۔ اس کے عرفان کے رسوخ میں تزلزل و اختلال کی گنجائش نہیں ہوتی۔

آیہ مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرتبہ عین الیقین کے حصول کا ذریعہ رویت عینی ہوتی ہے۔ جہنم کے منکرین ایک دن اُس کو بچشم خود دیکھیں گے۔ اور اُس سے اُن کو جہنم کا عین الیقین حاصل ہوگا۔

۳۔ حق الیقین: یہ مرتبہ مدارج یقین کا سدرۃ المنتہیٰ ہے۔ ارشاد ربانی نے اہل جہنم کے تذکرہ میں اس مرتبہ کی حقیقت اور اس کے وسیلہ حصول کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ثم صلوہ الجحیم ان ھذا لھو حق الیقین۔ یہ ہے کہ منکرین جہنم اُس کی آگ میں جلنے کے بعد اس کے حق الیقین کے درجہ میں پہنچیں گے۔ یہ مرتبہ اس وقت اُن کو حاصل ہوگا۔ جبکہ آتش جہنم کی تاثیریں اُن کو مظہر آثار ناریہ بنا دیں گی۔ اور وہ فنا فی النار ہو چکیں گے۔ محقق طوسی علیہ الرحمۃ رسالہ اوصاف الاشراف میں اس مرتبہ حق الیقین کی تشریح یوں فرماتے ہیں "نہایت معرفت این باشد کہ عارف منطفی شود مانند کسے کہ بآتش سوختہ و ناچیز شود"

اس سے واضح ہوا کہ مرتبہ حق الیقین کا حصول فنائے ذات پر موقوف ہے۔ اپنی ہستی کو قربان کر دینے ہی کے بعد یہ مرتبہ عارف کو حاصل ہو سکتا ہے۔ اگرچہ معارف الٰہیہ کے بارے میں کوئی مثال مکمل نہیں ہو سکتی۔ پھر بھی محسوسات کی مثالیں معارف الٰہیہ کو انسانی فہم سے فی الجملہ قریب لانے میں مدد دے سکتی ہیں۔ اسی وجہ سے کلام الٰہی میں بیان معارف کے لئے اکثر تشبیہات کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ جس طرح آگ میں جلنے والے آگ تو نہیں بنتے۔ مگر آگ کے صفات و خواص و آثار کا مظہر بن جاتے ہیں۔ اسی طرح عارفین کاملین معرفت الٰہیہ کے مرتبہ حق الیقین پر پہنچکر مظہر صفات ربانی و متخلق باخلاق سبحانی ہو جاتے ہیں۔ انسانی ہستی فنا فی اللہ کے ممکن الحصول مراتب پر واصل ہو کر مظہر جمال و کمال الٰہی و آئینہ اوصاف و اخلاق صمدی بن جاتی ہیں۔ اس کے لئے اب فنا کا وہم بھی نہیں کیا جا سکتا۔ وہ رب حی قیوم کی مظہر اتم بن کر حیات ابدی و بقائے سرمدی حاصل کر لیتی ہے۔ اگرچہ خواص نفوس قدسیہ حیات ظاہری طبیعی کی حالت میں بھی موت ارادی و قطع علائق جسمانی کی وجہ سے فنائے ذات و محو انانیت کے مرتبہ پر پہنچکر درجہ حق الیقین پر فائز ہوتے ہیں۔ بلکہ یہ مرتبہ اُن کو بالفطرۃ حاصل ہوتا ہے حدیث نبوی لی مع اللہ وقت لایسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل اور ارشاد علوی لو کشف الغطا لما ازددت یقینا میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔ مگر دوسرے عارفین کو اپنی حیات ظاہری کی قربانی پیش کرنے کے بعد ہی نصیب ہو سکتا ہے۔ حیات شہدا جن آیات قرآنی میں مذکور ہے اُن میں اسی راز الٰہی کی طرف اشارہ ہے۔

(۱) لا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء عند ربھم ولکن لا تشعرون۔

جو لوگ خدا کی راہ میں مارے گئے ہیں۔ اُن کو مردہ نہ کہو وہ تو خدا کے پاس زندہ ہیں۔ لیکن تم اُن کی زندگی کا شعور و احساس نہیں کرتے۔

(۲) لا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء

سوتیلے بھائی بھرت جی
نے رام چندر جی کیلئے حکومت پر ٹھوکر مار دی
عباسؑ بھی سوتیلے بھائی تھے
انہوں نے اپنے بیٹے کی جان تک حسینؑ پر قربان کر دی
ایک نے
حکومت نچھاور کی اور دوسرے نے جان
اب فرق خود سمجھ لیجئے

عند ربہم یرزقون۔
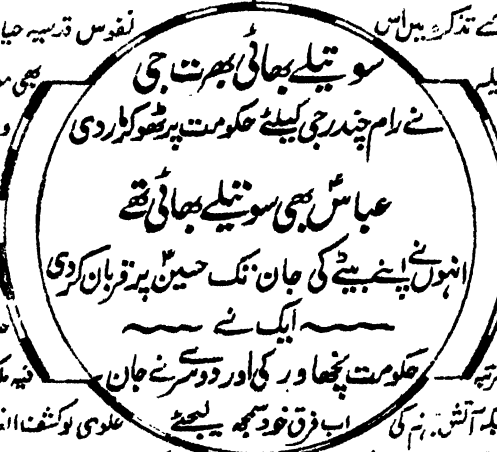
شہدائے راہ خدا کو مردہ نہ جانو وہ زندہ ہیں۔ اور اپنے پروردگار کے پاس رزق پاتے ہیں۔

یہ آیتیں اس حقیقت کو بے نقاب کرتی ہیں۔ کہ حیات ابدی وبقا سرمدی کے حصول کا ذریعہ حیات ظاہری کی قربانی اور موت کو زندگی پر ترجیح دینا ہے۔ اور شہیدوں کی زندگی موت طبیعی سے مرنے والوں کی روحانی زندگی سے ممتاز ہوتی ہے۔ لفظ "شہید" دراصل اسمائے الٰہیہ میں سے ہے۔ اس کی تفسیر میں علمائے فرمایا ہے۔ "الذی لایغیب عنہ شئی" وہ ہستی جس کی نظر سے کوئی شئے غائب نہ ہو۔ سرفروشان راہ خدا کیلئے اس لفظ کا استعمال کن معانی سے ہوتا ہے۔ اس کے متعلق اختلاف ہے۔ صاحب مجمع البحرین لکھتے ہیں۔

قیل سمی بذلک لان ملائکۃ الرحمۃ تشہدہ فہو شہید بمعنے مشہود وقیل لان اللہ وملائکتہ شہود لہ فی الجنۃ وقیل لانہ ممن استشہد یوم القیامۃ مع النبی علی الامم الخالیۃ وقیل لانہ لم یمت لانہ شاہد ای حاضر او لقیامہ بشہادۃ الحق فی اللہ حتے قتل او لانہ یشہد ما اعد اللہ لہ من الکرامۃ وغیرہ لایشہد ما الے یوم القیامۃ۔

شہید کی وجہ تسمیہ میں یہ اقوال ہیں۔ (۱) وہ شہید اس سے کہے گئے کہ ملائکہ رحمت اُن کی شہادت دیتے ہیں۔ (۲) خدا اور فرشتے جنت میں اُن کے شاہد ہیں۔ (۳) وہ قیامت کے دن نبیؐ کے ساتھ گذشتہ امتوں کے گواہ بنائے جائیں گے (۴) وہ مرے نہیں ہیں۔ بلکہ شاہد وحاضر ہیں۔ (۵) انہوں نے خدا کی راہ میں حق کی گواہی دی۔ یہاں تک کہ قتل کئے گئے۔ (۶) جو کچھ مدارج کرامت خدا نے اُن کے لئے مہیا کئے ہیں۔ اُن کا

عالم وہ بھی تھے

جنہوں نے دولت کے لالچ میں قتل حسینؑ کے فتوے دئیے

اور عالم وہ بھی تھے

جنہوں نے بقائے دین کے واسطے اپنی جانیں قربان کر دیں

——— علم دونوں میں مشترک تھا ———

مگر عمل نے ایک کو تحت الثریٰ اور دوسرے کو

عرش اعلیٰ پر پہونچا دیا

اس وقت وہ مشاہدہ کرتے ہیں۔ دوسرے مرنے والے قیامت سے پہلے اُن کو نہ دیکھ سکیں گے۔

غالباً معنے شہید کی تعین میں یہ اختلاف اقوال بے محل وغیر ضروری ہے۔ کیونکہ شہید راہ خدا میں وہ تمام باتیں اور صفتیں پائی جاتی ہیں۔ جن کو وجہ تسمیہ قرار دیا گیا ہے اور وہ ہر اعتبار سے شہید کہا جاسکتا ہے کسی ایک معنی کو دوسرے سے کوئی منافاۃ نہیں ہے۔ مگر بنظر تحقیق ہیں دو صفتوں کے اعتبار سے اس لفظ کا اطلاق حقیقت سے قریب تر ہوتا ہے۔ (اول) وہ ذات وصفات الٰہیہ کے متعلق ایسی عملی وفعلی شہادت دیتا ہے۔ جس سے بڑھکر کوئی اور شہادت متصور نہیں ہوسکتی۔ جو پروانہ نور شمع پر گرکر جل گیا۔ اُس نے حسن وجمال شمع کی ایسی عملی شہادت دی۔ اور اُس کے کمالات کی وہ فعلی تصدیق کی۔ جس سے بڑھ کر کوئی شہادت اور تصدیق ممکن ہی نہیں۔ (دوم) قتیل راہ خدا ہستی فانی کو قربان کرکے شائبہ فنا وموت سے منزہ ہوجاتا ہے۔ حیات باقی ابدی حاصل کرلیتا ہے۔ باقی بیقاء اللہ ہوتا ہے۔ اسی طرح حاضر وناظر ہوتا ہے جس طرح دنیوی زندگی میں تھا۔ بلکہ اس کا حضور وشہود اور اُس کی قوت نظر وبصر پہلے سے اقوی واکمل واتم ہوتی ہے۔ اور اسمائے الٰہیہ حی وقیوم وشہید کا مظہر د آئینہ دار بن جاتا ہے۔ آیات قرآنی میں شہداء کی انہیں خصوصیتوں کی طرف عقول انسانی کو متوجہ کیا گیا ہے۔ عقول عرفا وحکما اس راز فطرت کی طرف پہلے بھی ملتفت رہے ہیں۔ کہ بقا کی تحصیل کا ذریعہ فنا فی اللہ اور کسب حیات کا وسیلہ موت ارادی اور خدا کی راہ میں جان کی قربانی وسرفروشی ہے۔ مگر اس نظریہ کو جس واضح اور مکمل طور پر آیات قرآن نے پیش کیا ہے اُس کو

مثال دوسری جگہ نہیں مل سکتی۔

قرآن مجید میں شہدا کی جس زندگی کا تذکرہ ہے۔ اُس کے متعلق مفسرین نے حسب عادت وحسب مذاق اختلاف اقوال کا مظاہرہ کیا ہے۔

قول اوّل :۔ شہدائے راہ خدا اُسی طرح زندہ ہیں جس طرح جسم عنصری میں تھے۔ یعنی اُن کی زندگی اور ہستی کے عنوان میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہوا ہے۔ اُن کے جسم و روح کا تعلق اب بھی باقی ہے۔ اور اس ارتباط و تعلق کے لوازم و آثار اعلیٰ واشرف طریقوں پر اب بھی پائے جاتے ہیں۔

قول دوم :۔ شہداء کی زندگی سے مراد دینی زندگی ہے یعنی چونکہ اُن کے کارناموں کا اثر دنیا میں باقی رہ جاتا ہے۔ لہٰذا وہ بھی زندہ ہیں۔

قول سوم :۔ موت سے مراد ضلالت ہے اور حیات سے مراد ہدایت یافتہ ہوتا ہے۔ اور مقصد آیۂ مبارکہ یہ ہے۔ کہ شہدائے راہ خدا ہدایت یافتہ ہیں۔

قول چہارم :۔ حیات سے مراد حیات قیامت ہے۔ اور مقصود یہ ہے۔ کہ شہداء کو بروز قیامت زندگی بخشی جائے گی۔ اور اُن کو اُن کے اعمالی جزا کا صلہ ملے گا۔

قول پنجم :۔ حیات سے مراد بقائے شہرت ہے۔ چونکہ شہدا کا شہرہ عالم میں باقی ہے۔ لہٰذا وہ خود زندہ ہیں۔

قول اوّل کے سوا تمام اقوال ضعیف ہیں۔ اور کلام الٰہی سے کچھ بھی مناسبت نہیں رکھتے۔ محض قاصر نظری و ادراک حقائق سے عجز کی پیداوار ہیں۔ جو لوگ ارتباط روح و جسم کے مخفی اسرار سے واقف نہیں جن کو فنا و بقا کی حقیقت اور سلسلہ اسباب و مسباب میں اُن کے باہمی تعلق کا ادراک میسّر نہیں۔ جو محض ظاہر حیات دنیا کو [illegible] ہیں۔ مگر باطنی اسرار فطرت۔ روح و بدن سے بے بہرہ ہیں۔ وہی ان اقوال کو اختیار کر سکتے ہیں۔ جو اہل بصیرت فطرت کے مخفی قوانین و نوامیس کے ادراک سے عاجز نہیں ہیں۔ اور اس کا یقین رکھتے ہیں کہ سلسلۂ اسباب و مسببات میں ایسے نتائج و آثار بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔ جو عام طور سے نہیں ہوا کرتے۔ اُن کو اس میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ کہ پہلا ہی قول حق ہے۔ فنا بھی بقا کا سبب، موت بھی حیات کا ذریعہ۔ عدم بھی ہستی کی علت ہو سکتا ہے۔ اور یہ بات قانون فطرت کے خلاف نہیں ہوگی۔ بلکہ سلسلہ اسباب و مسببات میں داخل ہوگی نوامیس فطرت و قوانین طبیعت کے مطابق ہوگی۔ اگر فطرت روح و بدن اور اُن کے باہمی تعلقات کے مخفی آثار پر نظر کی جائے تو اس کا ادراک مشکل نہ ہوگا۔ ارشاد ربانی "ولکن لا تشعرون" اس مطلب پر نص صریح ہے کہ حیات شہدا سے مراد حیات جسمانیہ ہے نہ کہ زندگی کی کوئی اور صورت۔ جو اقوال مذکورہ میں بیان کی گئی ہے مقصود آیت بھی بتاتا ہے۔ کہ شہداء زندہ ہیں اور اسی طرح زندہ ہیں۔ جیسے پہلے تھے۔ البتہ اُن کی موجودہ زندگی تمہارے حس و شعور سے بالاتر ہو گئی ہے۔

نظریات اسلام کی بنا پر موت فقط انقطاع تعلق روح و بدن کا نام ہے۔ اور وہ اس انقطاع علائق مادی و روابط بدنی کے بعد فنا نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کا وجود برزخی وجود دنیوی سے قوی تر ہوتا ہے۔ وہ بغیر آلات بدنی کے سنتی ہے دیکھتی ہے۔ احساس و ادراک کرتی ہے۔ اس امر میں کفر و ایمان کا بھی فرق نہیں۔ ارواح مومنین کی تخصیص نہیں۔ ارواح کفار و منافقین بھی وجود برزخی میں فہم و تعقل و ادراک پر قوت و قدرت رکھتی ہیں۔ مندرجہ ذیل واقعہ اکثر کتب

تواریخ واحادیث میں منقول ہے۔

لما قتل صنادید قریش یوم بدر ناداھم رسول اللہ صلعم وقال یا فلان یا فلان قد وجدت ما وعدنی ربی حقا فھل وجدتم ما وعدکم فقیل یارسول اللہ صلعم اتنادیھم وھم اموات فقال صلعم والذی نفسی بیدہ انھم لاسمع لھذا الکلام منکم الا انھم لایقدرون علی الجواب

(احیاء العلوم غزالی) سرداران قریش جو جنگ بدر میں مارے گئے تھے آنحضرتؐ نے اُن کو سہ ایک کا نام لے کر پکارا اور فرمایا کہ میں نے تو خدا کے وعدہ کو حق پا لیا ہے کیا تم نے بھی اُس کو حق پایا یا نہیں؟ اس ارشاد پر کسی نے حضرتؐ سے کہا کہ آپ ان مردوں کو پکارتے ہیں؟ فرمایا کہ خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ یہ مردے اس کلام کو تم سے زیادہ سُن رہے ہیں۔ البتہ وہ جواب نہیں دے سکتے۔

نیز قرآن مجید میں ہے۔ **وحاق بآل فرعون سوء العذاب النار یعرضون علیھا غدوا وعشیا۔**

فرعون والوں پر بڑا عذاب پھٹ پڑا۔ یعنی آگ صبح وشام وہ اُس کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔

یہ آیت واضح طور پر وجود برزخی کو کفار کیلئے بھی ثابت کرتی ہے۔ لہٰذا ضروری ہے۔ کہ خداوند عالم نے شہدا کیلئے جس حیات کا تذکرہ فرمایا ہے۔ وہ اوس وجود برزخی سے ممتاز ہو جو ہر مرنے والے کے لئے بدون تفرقہ مومن وکافر ثابت ہے۔ اگر ان کو کوئی ایسی زندگی حاصل نہیں۔ جو عام وجود برزخی سے امتیاز رکھتی ہو۔ تو اوس کا تذکرہ مقام اظہار

انعام واکرام میں خصوصیت سے خالی اور بیفائدہ [illegible] نبوی جواد پر لقل کی گئی۔ وہ غزوۂ بدر کے موقع پر اردو [illegible] اور آیہ مبارکہ لاتقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ [illegible] کے موقع پر نازل کی گئی۔ جو اہل اسلام [illegible] میں شہید ہوئے تھے۔ اُن کی بابت بعض کفار [illegible] یہ کہہ رہے تھے۔ کہ اونہوں نے اپنی جانیں مفت [illegible] دنیا کی نعمتوں سے ناحق محروم ہوئے [illegible] لہٰذا خداوند عالم نے اون کا جواب دیئے اور اس جاہلانہ تخیل کا ابطال کرنے کیلئے یہ آیت نازل فرمائی۔ لہٰذا ضروری ہے کہ شہدائے بدر کی برزخی زندگی [illegible] سے جداگانہ ہو جو مقتولین کفار کیلئے [illegible] ثابت فرمایا [illegible] کے باطل [illegible] صورت میں ہوسکتی ہے جبکہ حیات شہدا سے وہی زندگی مراد ہو جو جسمانی ہونے کے باوجود عام دنیوی زندگی [illegible] اشرف واعلےٰ ہو [illegible] وحیات دنیوی دونوں سے ممتاز ہو۔ وہ [illegible] سے اس لئے ممتاز ہوگی۔ کہ یہ وجود برزخی خالص روحانی ہوگا۔ جسمانیت کے علائق بالکل منقطع ہوچکے [illegible] کی زندگی بدنی تعلقات سے جدا [illegible] ہوگی۔ اور حیات [illegible] سے اس لئے ممتاز ہوگی۔ کہ اوس کا تعلق [illegible] زندگی کے مادی وجسمانی تعلقات سے لطیف [illegible] محسوس اور ناقابل زوال [illegible]۔ یہ جسمانیت دنیا [illegible] سے مبرا ہوگی [illegible] کے آثار واوہام اور [illegible] شعور واحساس کے [illegible] میں ہیں آ سکیں [illegible] زندگی کے مناظر [illegible] حسینیؑ کو دکھلائے گئے۔

جناب صادق آل محمدؐ کا ارشاد ہے۔

> **لوگ کہتے ھیں**
> اسلام نے دو چیزیں چھوڑیں
> **تلوار ـــــ اور ـــــ قرآن**
> ہمارے خیال میں
> اسلام نے دو چیزوں کی تعلیم دی
> **محبت اہلبیت اور قرآن**
> تلوار اور محبت کا فرق خود سمجھ لیجیئے

انهم كشف لهم الغطاء حتى رأوا منازلهم من الجنة

اون کے لئے حجاب آسمانی ہٹ دیئے گئے۔ اور اون کے بہشتی منازل ومدارج اون کے سامنے منکشف ہوگئے۔

کتاب علل الشرائع میں مروی ہے۔

قال علي بن الحسين عليهما السلام كنت مع ابي في الليلة التي قتل في صبيحتها فقال لاصحابه هذا الليل فاتخذوه جنة فان القوم انما يريدونني ولو قتلوني لم يلتفتوا اليكم وانتم في حل وسعة فقالوا لا والله لا يكون هذه ابدا فقال انكم تقتلون غدا كلكم ولا يفلت منكم رجل قالوا الحمد لله الذي شرفنا بالقتل معك فقال لهم ارفعوا رؤسكم وانظروا فجعلوا ينظرون الى مواضعهم ومنازلهم في الجنة وهو يقول لهم هذا منزلك يا فلان فكان الرجل يستقبل الرماح والسيوف بصدره ووجهه ليصل الى منزلته من الجنة

جناب امام علی بن الحسین علیہما السلام فرماتے ہیں کہ شب عاشور میرے پدر بزرگوار نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ رات کا وقت ہے۔ تم اسی [illegible] میں جہاں چاہو نکل جاؤ یہ قوم صرف میری جان لینا چاہتی ہے۔ میرے قتل کے بعد تمہاری طرف اس کی توجہ نہ رہے گی۔ تم کو میری طرف سے آزادی و وسعت حاصل ہے۔ اس ارشاد پر اصحاب نے عرض کی کہ یہ بات تو ہم سے کبھی نہ ہوگی۔ حضرت نے فرمایا دیکھو تم سب کل قتل کر دیئے جاؤ گے۔ تم میں سے ایک شخص بھی زندہ نہ بچے گا۔ انہوں نے عرض کی کہ خدا کا شکر ہے کہ ہم کو آپ کے ساتھ شہادت کا شرف نصیب ہوگا۔ تب حضرتؑ نے فرمایا۔ اپنے سروں کو بلند کرو۔ اور دیکھو۔ انہوں نے اپنے سروں کو جب بلند کیا۔ تو اون کی بہشتی منزلیں اون کی نگاہوں کے سامنے آگئیں۔ اور ہر شخص اپنی منزل تک پہنچنے کے لئے نیزوں اور تلواروں کے سامنے اپنے سینا اور چہرہ کو پیش کر رہا تھا۔

حیات شہداء کی حقیقت و واقعیت کا واضح ترین مظاہرہ اوس وقت ہوا۔ جبکہ شہید نینوا کا سر مبارک نیزہ پر بلند بازار کوفہ میں لایا گیا۔ لاکھوں کے مجمع میں شہید اعظم نے اپنی زندگی کا وہ مؤثر ترین مظاہرہ فرمایا جس کے بعد اس نظریہ میں شک وشبہ کی گنجائش باقی نہ رہے۔ ایک ایسا نظریہ جو فنا و بقا کے مخفی امر اور فلسفہ شہادت سے تعلق رکھتا تھا۔ اور اسلام کے مخصوص [illegible] میں سے تھا۔ عملی ثبوت کا محتاج تھا۔ [illegible] ایمان اگرچہ علم الیقین رکھتے تھے۔ مگر عین الیقین سے محروم تھے۔ ضرورت تھی کہ اسلام کے اس نظریہ کی عملی تصدیق اس طرح کی جائے جس سے اہل ایمان کو عین الیقین کا مرتبہ حاصل ہوسکے۔ سید الشہداء سبط رسول امام حسینؑ کی خصوصیات شہادت کبریٰ میں سے ایک امر یہ بھی ہے۔ کہ وہ اسلام کے ایک عظیم الشان دعویٰ کی تصدیق کا سبب ہوئی۔ اور حضرتؑ نے اجتماع عام کے روبرو سورہ کہف کی تلاوت فرما کر اوس زندگی کا مکمل ثبوت دے دیا۔ جس کا اسلام مدعی تھا۔ حیات شہداؑ کے

علی اکبرؑ
نے نماز صبح کے وقت اذان دی تو دشت وجبل کیف سے جھوم گئے
علی اکبرؑ نے وقت ظہر نعرہ جنگ بلند کیا۔ تو شیروں کے جگر شق
اور بہادروں کے زہرے آب ہوگئے
جمال و جلال کی انہی صفات نے
علی اکبرؑ کو حیات جاوید بخشی ہے

اس حسینی مفاخرہ کو مشہور ترین واقعہ کی حیثیت حاصل ہے۔ کتب اہل اسلام میں منقول ہے۔ جس سے اوس کا مقبول ہونا قابل اشتباہ نہیں۔ ابو مخنف (جس کی روایات کا مورخ طبری کی تصریح میں متند ومعتبر ہونا اس طرح ظاہر ہے کہ تمام تاریخ کا اکثر حصہ اونہیں سے بھرا ہوا ہے) راوی ہے:۔

فوقفوا بباب بنی خزیمہ والراس علے قناۃ طویلۃ وھو یقرأ سورۃ الکہف الے ان بلغ الے قولہ تعالی ام حسبت ان اصحاب الکہف والرقیم کانوا من آیاتنا عجبا قال سھل فبکیت وقلت یا ابن رسول اللہ راسک اعجب ثم وقعت مغشیا علی فلم افق حتے ختم السورۃ۔

انتقیلے کو وہ بنی خزیمہ کے دروازے پر ٹھہرے سر حسینؑ ایک نیزۂ طویل پر بلند تھا۔ اور سورہ کہف کی تلاوت کر رہا تھا۔ جب اس آیت تک پہنچا۔ ام حسبت ان اصحاب الکہف الخ تو سہل بن سعد صحابی رونے لگے۔ اور عرض کی یا ابن رسول اللہ آپ کا سر تو اصحاب الکہف سے بھی زیادہ عجیب ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ میں اسی وقت غش کھا کے گر پڑا۔ اور جب افاقہ ہوا تو سر مبارک سورہ کی تلاوت ختم کر چکا تھا۔

بالجملہ قربانی وفداکاری کا نظام عالم فطرت میں جاری وساری ہے۔ اسی قانون فطرت کے ماتحت اس دنیا کے موجودات صعود وارتقا کے مراحل ومنازل طے کر رہے ہیں۔ عناصر ہوں یا مرکبات۔ جمادات ہوں۔ یا حیوانات سب کے سب اسی قانون اور اسی نظام کے ماتحت سرگرم رفتار ہیں۔ ہر سافل اپنی ہستی کو عالی پر قربان کر کے نئی زندگی کا طالب ہے۔ ہر ادنے نوع اعلے پر فدا ہو کر قوی تر وجود حاصل کرنے کے لئے ساعی ہے۔ اور قدرت ہر ایک کی فداکارانہ سعی کو بارور بناتی ہے۔ جمادات فنائے ذات کے ذریعہ سے درجہ نباتات میں آجاتے ہیں نباتات اپنی ہستی کو قربانی سے کر حیوانات کے زمرہ میں داخل ہو جاتے ہیں۔ علے ہذا القیاس ہر ایک کو اوس کی فداکاری کا فطری صلہ ملتا ہے۔ اور وہ ایک جدید حیات حاصل کر لیتا ہے۔ جو پہلی زندگی سے اشرف واعلے و اقدس ہوتی ہے۔ پھر اگر یہی نظام فطرت وقانون قدرت انسانی ہستیوں کو ان کی قربانی کے صلہ میں فوق العادۃ۔ زندگی عطا کرے۔ جو ہمارے شعور وادراک سے باہر ہو تو باعث تعجب نہ ہونی چاہیئے۔ ہم کو اسرار فطرت کا جتنا علم حاصل ہے۔ اوس کی نسبت سب اعتراف حکمائے روزگار وعقلائے دہر ویسی بھی نہیں۔ جو ایک قطرہ کو سمندر سے ہو سکتی ہے۔ وما اوتیتم من العلم الا قلیلا۔

اگر آپ کو رضا کار کی دینی وقومی خدمات کا اعتراف ہے، تو اس عشرہ محرم میں رضا کار کا کم از کم ایک خریدار بنا کر اس کا عملی ثبوت دیجیئے۔ (ادارہ)

شہادت حسینؑ اور بعض اشتراکی مفکرین

کی

ایک تکلیف دہ غلط فہمی !

علامہ سید اختر علی تلہری !

۶۱ھ میں نہر فرات کے کنارے رسولؐ اسلام کے جگر کے ٹکڑے حسینؑ نے جس جانبازانہ حوصلے کے ساتھ اس وقت کی ابھرتی ہوئی "عربی نازیت" کی قہار قوتوں کو حق و صداقت کی حمایت پیش نظر رکھتے ہوئے چیلنج دیا تھا۔ اور جس دلیرانہ استقلال کے ساتھ اس راستہ میں اپنی تمام عزیز کائنات لٹا دی تھی۔ وہ انسانی تاریخ کی یادگار چیز ہے۔ دنیا کے واقعاتی صفحوں میں قربانی کے معصوم خون کی چھینٹیں کہیں کہیں ضرور نظر پڑتی ہیں۔ مگر اسلامی تاریخ کا یہ ورق بہتر بیگناہوں کے لہو سے جس طرح رنگین ہو رہا ہے۔ اس کی مثال مفقود ہے۔ اس حیرت میں ڈال دینے والے ایثار و قربانی کے واقعہ نے جو ملکوتی خصوصیتیں اپنے میں جذب کرلی ہیں۔ انہوں نے اسے ظلم و ناانصافی کے ہاتھوں کانپتے ہوئے لرزتے ہوئے مظلوموں کے دل کے لئے قوت و طمانیت کا سامان بنا دیا ہے۔ "یزیدی نازیت" کا طوفان جس زور شور کے ساتھ اٹھا تھا۔ اور اس کے ظلم و ستم کی بجلیوں سے انسانیت کی روح پر جو قیامتیں برپا ہو رہی تھیں۔ وہ اپنے وقت کا نہایت ہی حشر ساماں حادثہ تھا۔ انسانی فوز و فلاح کی جس دنیا کی تعمیر پیغمبر اسلام نے کی تھی۔ وہ اس طوفان میں ڈوب رہی تھی۔ حسینؑ ہی کا یہ سرفروشانہ اقدام تھا جس نے اس بلا ریز و بلا خیز طوفان کی آتشیں سیل روک دی۔ حسینؑ اپنے عزیز احباب و اعزا کے ساتھ خاک و خون میں لوٹے۔ اپنے اہل و عیال کو یزیدی درازدستیوں کے مقابلہ کے لئے بے یار و مددگار چھوڑ گئے مگر واقعات کی رفتار کو بدل دیا۔ "عربی نازیت" کے خوفناک حوصلوں کا پنجہ توڑ دیا۔ تمدنی ہدایت و ارشاد کا یادگار زمانہ تاریخی باب پھر ایک دفعہ نگاہوں کے سامنے آگئے۔ اور بہکی ہوئی بھٹکی ہوئی دنیا کو اس کا موقع دیدیا۔ کہ وہ آنکھیں کھول لے۔ اور صحیح اخلاقی و تمدنی قدروں Moral and Social values کو غلط اخلاقی و معاشرتی قدروں میں خلط ملط نہ ہونے دے اور اپنی انسانیت کے گوہر خوش آب کی ضو گمراہیوں کی گرد سے پھیکی نہ پڑنے دے۔

جن لوگوں کی نگاہوں میں اسلامی تاریخ کے متعلقہ صفحے ہیں۔ وہ ان دعووں کو ایک خطیب کی خطابت کا جوش نہیں قرار دے سکتے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ علیؑ کی شہادت کے بعد سے اسلامی سیاست جس برق رفتاری کے ساتھ انسانیت کش رجحانات میں تبدیل ہونے لگی تھی۔ اسے دیکھتے ہوئے یہی سمجھ میں آرہا تھا۔ کہ پیغمبر عرب کے تمام اخلاقی و تمدنی اصول عام تباہی کی لپیٹ میں آجانے والے ہیں سرور کائنات کے تعلیم کردہ انسانی نظام سیاست کے عوض میں دوسرا استبدادی نظام رائج ہونے والا اور انسانیت کی خدمت کے فلسفے کے بجائے خالص لذتیت کا نظریہ اسلامی چیز قرار پانے والا ہے۔ اس تباہ کن سیل بلا کے روکنے کی اگر کوئی صورت ہو سکتی تھی۔ تو اس وقت کے حالات سے

یہی کہ کسی طرف سے کوئی ایسا زبردست اقدام وجود میں آئے جو "علم انسانی نفسیات" کی دنیا میں زلزلہ برپا کردے۔ اور بنی آدم کے قلب و دماغ کو پوری قوت کے ساتھ جھنجھوڑ کر اسے اپنی بگڑی ہوئی سیرت کے آئینہ میں مستقل زوال و انحطاط کی بھیانک تصویریں دیکھنے کی طرف متوجہ کردے۔ یہ زبردست اقدام اس بے لوث ایثار کا طالب تھا۔ جس میں بے پناہ عزم و استقلال کا جوہر موجود ہو۔ ایسے بے لوث ایثار کا جذبہ عام طور سے پایا نہیں جاتا۔ انسانیت کی یہ خوش قسمتی تھی۔ کہ اس وقت میں ایک ایسا برگزیدہ شخص موجود تھا۔ جس نے ملکوتی گودیوں میں پرورش پاکر عزم و استقلال، ایثار و قربانی کے اعلیٰ اوصاف اپنے نفس میں مکمل و مستحکم طور سے پیدا کر لئے تھے۔ اُسکی دوربین نگاہوں نے موجودہ سیاست کا یہ رُخ اچھی طرح دیکھ لیا تھا۔ اور اس کی فطری و موروثی دانشمندی نے اُسے یہ اچھی طرح محسوس کرا دیا تھا۔ کہ اس طوفانی آگ کو بیگناہوں کے خون کی چھینٹوں ہی سے فرو کیا جاسکتا ہے۔ یہ محسوس کرکے حسینؑ اس پر آمادہ ہوگئے۔ کہ اپنی ظاہری تباہی و بربادی تک لیجانیوالے اقدام کو اختیار کرکے دنیا کو پوری قوت سے جھنجھوڑ دیں۔ اور اُسے ڈرامائی عنوان سے موجودہ ہلاکت خیز اسلامی سیاست کے ان پہلوؤں کی طرف متوجہ کردیں۔ جو انسانی رجحانات کو تہ و بالا کئے ہوئے ہیں۔ اور آئندہ چل کر جن کی کروٹیں اور بھی خطرناک ہونے والی ہیں چنانچہ حسینؑ اٹھے۔ اور پورے عزم و ثبات کے ساتھ اٹھے۔ اور اپنے اقدام کا نازک راستہ اُن خطوط پر معین کرتے ہوئے اٹھے۔ جو اس مقصد کی طرف کامیابی کے ساتھ رہنمائی کر سکیں۔ بیعت یزید سے انکار۔ مکہ سے روانگی۔ کوفیوں کے خطوط کی بنا پر وہاں سے کوفہ کا قصد۔ کربلا میں ورود۔ ہر منزل پہ اتمام حجت کا مظاہرہ۔ آخر میں اپنے جاں نثار و سرفروش رفقا و اعزا کے ساتھ دشمنوں کی تلواروں اور نیزوں کے سامنے گلوں اور سینوں کو پیش کر دینا۔ قربانی دینے والوں کی فہرست میں ششماہہ بچہ تک شامل کرلینا۔ اہل بیت کو قید و بند کی تکلیفیں اٹھانے اور شہر بہ شہر اسے طوق و زنجیر کی حالت میں پھرائے جانے کے لئے چھوڑ جانا۔ یہ تمام باتیں جس مدبرانہ عنوان سے کی گئیں۔ وہ سب اس مقصد کی تکمیل کے عناصر تھے۔ حسینؑ شہید ہوئے۔ اہلبیتؑ اسیر ہوئے۔ ظاہر میں یزیدی سطوت کامیاب ہوئی۔ مگر نتیجہ کیا ہوا؟ ان دل ہلا دینے والے واقعات کے فوراً ہی بعد عام دلوں میں زلزلے پیدا ہوئے۔ دماغوں میں بھونچال آیا۔ "توابین" مجرمانہ "قعود" کا اپنی سیرت کے دامن سے داغ دور کرنے کے لئے اٹھے۔ اور یزیدی تلواروں [illegible]ت شہید ہوئے۔ مختار کا خروج ہوا۔ قاتلان حسینؑ کا خاتمہ ہوا۔ اور آخر میں اس اقدام کا یہ نتیجہ نکلا کہ اموی تخت بالکل ہی الٹ گیا۔ یزید و ابن زیاد وغیرہ عام نفرت کا شکار ہوئے۔ اور صحیح اسلامی اصول کی تلقین کرنے والی ایک مستحکم اسلامی جماعت ہمیشہ کے لئے وجود میں آگئی۔

حسینی شہادت کی یہی وہ خصوصیتیں ہیں۔ جنہوں نے اُسے دنیا کے اس قسم کے تمام واقعات سے ممتاز کردیا ہے۔ اور اس میں غیر معمولی اہمیت و عظمت پیدا کردی ہے شہادت حسینؑ اور اس کے افکار میں جو یہ عام مرکزیت پیدا ہوگئی ہے۔ اس کی اصلی وجہ یہی ہے۔ کہ وہ "افادیت" کا

حسینؑ پیکر انسانیت کی جان تو ہے
زمین صبر و تحمل کا آسمان تو ہے
نہ صرف دینِ محمدؐ کی عز و شان تو ہے
رہِ حیات میں سالار کاروان تو ہے
جہاں کو خوابِ فنا سے جگا دیا تو نے
بقا کے واسطے مرنا سکھا دیا تو نے

(نسیم)

نزانہ ہے۔ ایسی اہم انادی چیز کی حیثیت سُبک کرنے کے لئے جب اس سے [illegible] میں وہ چیزیں لائی جاتی ہیں۔ جو اپنی جگہ پر اہم ہیں۔ لیکن یہ اتنی اہمیت نہیں رکھتیں۔ تو حیرت بھی ہوتی ہے اور افسوس بھی۔

پروفیسر رگھوپتی سہائے فراق ایم اے الہ آباد یونیورسٹی میں انگریزی کے پروفیسر ہیں۔ خیالات کے لحاظ سے وہ پکے کمیونسٹ اشتراکی ہیں۔ اس لحاظ سے انہیں روس سے جو دلچسپی ہو سکتی ہے وہ ظاہر ہے۔ لیکن اس اشتراکی خبط سے اس تمام شوق کے باوجود ان کی ناقدانہ سنجیدگی کا یہ تقاضا ہونا چاہیے تھا کہ وہ موجودہ روس کے قابل آفرین تحفظی اقدامات کے مقابلہ میں حسینی شہادت کے واقعہ کا تذکرہ اس عنوان سے نہ کرتے جس سے اس کی حیثیت سبک نظر آتی۔

فراق صاحب ساقی دہلی کے دسمبر نمبر ۱۹۴۲ء میں فرماتے ہیں

"جناب مکین احسن کلیم کے کہنے کے مطابق میں اسلام کو نہیں سمجھ سکا۔ لیکن میں یہ بھی نہیں سمجھا۔ کہ اسٹالن گراڈ یا روس کے تحفظ میں غیر مسلم روسی جس معرکہ آرائی اور لاثانی اخلاق کی روشن مثالیں پیش کر رہے ہیں۔ وہ واقعۂ کربلا یا اسلامی تاریخ کے کسی واقعہ سے اخلاق و روحانیت میں کم ہے۔ مجھے یہ سمجھا دیجئے۔ بندہ نواز۔ ابھی تک تو میری موٹی عقل یہی سمجھ سکی ہے۔ کہ عمل کی یہ درخشاں مثالیں۔ قربانی کی یہ سانس روک دینے والی تصویریں نہ اہلِ کربلا کی شہادت سے کم ہیں نہ جنگ خیبر یا فتح مکہ سے کم ہیں۔ الخ"

اس میں تو کچھ شک نہیں۔ کہ اسٹالن گراڈ یا روس کے تحفظ میں نہ صرف غیر مسلم روسی بلکہ مسلم روسی بھی جس حیرت انگیز دلیری و جانبازی اور تعجب خیز عزم و استقلال اور پامردی و استقامت کا مظاہرہ کرتے رہے یا کر رہے ہیں۔ اس کا اعتراف ناگزیر ہے۔ جرمن نازیت بڑے غرور اور دعوے کے ساتھ اٹھی تھی۔ کہ وہ چند ہفتوں میں روسی دلیروں کی مقاومت کا زور توڑ دے گی۔ اور اُن کا سر اپنے سامنے جھکا لے گی۔ مگر بہادر روسیوں کی جوانمردی نے ہٹلر کا بت پندار پورے طور سے شکست کر دیا۔ اور اس میں بھی کوئی شبہ نہیں۔ کہ نازیوں کی طوفانی طاقت کا وار روکنے میں روسیوں کو بڑی قربانیوں سے کام لینا پڑا ہے۔ نازی جرمنی کی ہلاکت خیز مشینری کے پرخچے آسانی سے روس کی سرزمین میں نہیں اڑائے جا سکتے ہیں بلکہ اسے اپنی پوری قوتوں کو جھونکنا پڑا ہے اور عام تباہیوں اور بربادیوں کے نظارے دیکھنا پڑے ہیں۔

یزید لعین نے کہا

کہاں ہیں میرے وہ اجداد۔ جنہوں نے بدر میں شکست پائی تھی؟ میں نے ان کی شکست کا انتقام لے لیا ہے

حسینؑ نے جواب دیا

کفر کے مقابلہ میں جو فتح میرے نانا نے بدر میں پائی تھی۔ میں نے اسے کربلا میں پائندگی اور دوام بخش دیا۔

اس تمام اعتراف کے باوجود ان واقعات کو واقعہ کربلا کے مقابلہ میں لانا اُن لوگوں کے نزدیک جنہوں نے سانحہ کربلا اور اس کے متعلقات کی تاریخ غور سے پڑھی ہے۔ اچھی خاصی ستم ظریفی ہے۔

اسٹلین، تموشنکو اور دوسرے جوانمردوں نے جو ہٹلر کی زبردست فوجی مشینری کے خلاف اسلحہ اٹھائے ہیں۔ تو اس زبردست اعتماد کے ساتھ کہ ان کی پشت پر نہ صرف روس کے غیر معمولی ذرائع بلکہ جمہوریہ امریکہ و برطانیہ کی زبردست طاقتیں بھی موجود ہیں۔ ٹینک، جنگی طیارے، جنگی جہاز اور لڑنے والوں کی نہ ختم ہونے والی تعداد اس کے پاس سب یہی کچھ تھا اور ہے۔ ان کے سہارے پر لڑنا۔ اور قربانیاں پیش کرنا بھی قابل مدح ہے۔ قابل ستائش ہے۔ لیکن اس قدر

غیر معمولی نہیں ہے۔ اپنی زمین پر اپنے گھر میں بندوق سے کافی تعداد کے مسلح ڈاکوؤں کا مقابلہ کرنا اور انہیں مار بھگانا بھی تعریف کے لائق ہے۔ لیکن ایسا برابر ہی ہوا کرتا ہے۔ جرمنی کے بمباروں نے گذشتہ سال سے کچھ پہلے لندن وغیرہ پر دھاووں کا سلسلہ جاری کر رکھا تھا۔ مگر لندن کے باشندوں نے بھی ان حملوں کا مقابلہ حیرت خیز طریقہ سے کیا۔ گھبراہٹ اور پریشانی کا کوئی محسوس ہونے والا اثر ان کی زندگی کے کسی شعبہ میں نمودار نہ ہو سکا۔ قربانیاں ہوتی رہیں۔ مگر معاشرتی و تمدنی چہل پہل بدستور رہی۔ لیکن یہ تمام واقعات دوسری نوعیت کے ہیں۔ اپنی بقیر... قابل شکست مادی طاقت کے اعتماد پر مقاومت کرنا اور اس سلسلہ میں ناگزیر قربانیاں کی نوبت آتے رہنا۔ واقعہ کربلا کی نوعیت سے مختلف نوعیت کی چیز ہے۔ حسینؑ اور ان کی اقل... قلیل جماعت نے جس میں وہ بڈھے اور بچے بھی تھے۔ جو کسی طرح سے کسی باقاعدہ فوج کے عناصر نہیں بن سکتے۔ یزیدی نازیت کی قہار فوجوں کے سامنے بھوک اور پیاس کی حالت میں جو صف آرائی کی تھی۔ اور جس طرح اس سے ٹکر لی تھی۔ وہ بالکل ہی دوسری شے ہے۔ یہ بہتر بچوں۔ بڈھوں اور جوانوں کا قافلہ جو یہ سمجھ رہا تھا۔ کہ اس تصادم کا نتیجہ مادی تباہی و بربادی ہے۔ اور اگر وہ اپنے نظریۂ حیات کو ذرا سا ڈھیلا کر لیں۔ تو آسانی کے ساتھ اس طوفان بلا سے بچ سکتے ہیں۔ مگر انھوں نے تلوار کی دھار اور نیزے کی نوک سے کھیلنا پسند کیا۔ لیکن باطل کے سامنے سر اطاعت کا جھکانا پسند نہ کیا۔ اہل کربلا کے اقدام کی اسی خصوصیت کی وجہ سے اس میں روحانیت کی ایک شان پیدا ہو گئی

ہے۔ جو اسے ان تمام دوسری لڑائیوں سے ممتاز کر دیتی ہے۔ جن کا مقصد خالص مادی عروج خالص مادی استول سے خالص مادی ذریعوں سے خالص مادی ترکیبوں سے حاصل کرنا ہوتا ہے۔

مادی لڑائیوں میں عہود و مواثیق۔ اخلاقی رسوم و آئین بے معنی لفظوں کا دفتر ہو جاتے ہیں۔ جنہیں جب چاہا اور جس طریقہ سے چاہا توڑ مروڑ لیا گیا۔ لیکن یہی عہود و مواثیق کی پابندی اخلاقی رسوم و آئین کا لحاظ حسینی اقدام کے لئے طرۂ امتیاز چیزیں تھیں۔

ہر اک کی زباں پہ ہے ترانہ تیرا
مشہور جہاں ہوا فسانہ تیرا
ویران جنگل میں سر کٹانے والے
ماتم کرتا ہے اک زمانہ تیرا
(اسد)

فراق صاحب سوشلسٹ سہی۔ کمیونسٹ سہی۔ مگر وہ زیر بحث مسئلہ کے اس پہلو پر انصاف کی نظر ڈالیں۔ اور پھر غور کریں۔ کہ ان دو واقعوں کو ایک ساتھ رکھ کر انہوں نے کربلا کے ہیرو کے ساتھ زیادتی کی ہے یا نہیں۔ کیا فراق صاحب سے یہ دریافت کیا جا سکتا ہے کہ وہ موجودہ حرب و ضرب کے اس طولانی سلسلہ میں سے روسی ہیرو کا کوئی ایسا ایک واقعہ پیش کر سکتے ہیں۔ جس میں دشمنوں کی فوج کے ساتھ وہ طریق عمل برتا گیا ہو۔ جو حسینؑ نے حر کی فوج کے ساتھ کربلا جاتے وقت اختیار کیا تھا۔ عرب کے ریگستان میں گرمی کے موسم میں پانی کی جو قدر و قیمت ہو سکتی ہے۔ اس کا اندازہ آسان نہیں ہے۔ ان نازک حالات میں اپنے پاس پانی کا ذخیرہ رکھنے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے حر کی پیاسی فوج کو بیدریغ پانی سے سیراب کر دینا کیا کوئی معمولی کارنامہ ہے؟ ہٹلر ہو یا اسٹیلین ان کے (War Tactics) جنگی حکمت عملی میں ان ہمدردیوں کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ مواقع تو مادی نقطۂ نظر سے دشمن کے (... of out) مستاصل (باقی صفحہ ۳۵ پر)

حسینیؑ تعلیم و تربیت کے خصوصیات

علامہ ہندی

دین اسلام درحقیقت اخلاق سے جدا نہیں ہے۔ وہ تو عین اخلاق ہے۔ اوس کے جملہ اوامر نواہی و احکام اخلاق ہی نہیں۔ اس کا بانی پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔ انی بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔ میری بعثت محض انسان کی سدھار اور مکارم اخلاق کی تکمیل کی غرض سے ہے۔ وہ لوگ جو مذہب کے نام سے کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں۔ اور اخلاق اخلاق پکارتے ہیں۔ اُن کو اخلاقی نقطۂ نظر سے دین اسلام کو جانچ کر اسلامی اخلاق پرستی کرنا چاہیئے۔ ہم حسینیؑ اخلاق کو اسلام کی صداقت کا معیار بنا کر پیش کرتے ہیں۔ امام حسینؑ نے بھی کربلا میں اپنی اخلاقی حیثیت کو بطور معیار پیش فرمایا تھا۔ امام حسینؑ کی شہادت ۶۱ھ سے شروع نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ یوم ولادت سے شروع ہوتی ہے اس لئے کہ جس بچہ کی تربیت و اُٹھان اُن باتوں میں ہوئی جن کا نظریہ عربی بگڑی ہوئی عمرانی زندگی سے تصادم کا ہو۔ اور مخصر عمران خصائل کو سدھارنا اپنا فرض انسانی دے رکھا ہو۔ اور اس اصلاح میں ہر مصیبت و تکلیف کے خیر مقدم کے واسطے تیار رہو اور عملاً ان تکالیف و مصائب کے نمونے تاریخ میں چھوٹ جائے یعنی رسولؐ و علیؑ و بتولؑ سلام اللہ علیہم اُس بچے کو سمجھ سکتے ہیں۔ کہ دنیا اُسی وقت سے ایسے بچے کی اپنی عمرانی زندگی میں کس قدر دشمن ہو گی۔ اور ایسے وجود کو پہلے ہی مٹانے کی فکر میں سرگرداں ہو گی۔ ہر چند کہ اس کا موقع ہاتھ نہ آئے۔ فرعون کو اس خدا نے اس امر پر آمادہ کر دیا تھا۔ کہ حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کرادے

اس کے اختیار و لبس کی بات تھی۔ کہ گذرا دشمنانِ رسولؐ و علیؑ و بتولؑ کو اس قدر موقع نہ ملا۔ لیکن جتنا موقع ملا۔ اوس سے باز نہ آئے۔ علیؑ و آل علیؑ کی منزلت مٹانے کے لیئے طرح طرح کے منصوبے کئے۔ منبروں پر مسجدوں میں سالہا سال گالیاں تک دیں۔ جمل و صفین کی لڑائیوں میں علیؑ و آل علیؑ کا خاتمہ کر دینے کی ٹھانی۔ کامیابی نہ ہونا امر آخر ہے مختصر یہ ہے کہ امام حسینؑ کو پرورش و تربیت انہیں ہاتھوں سے ہوئی تھی۔ وہ عربی ماحول سے علیحدہ رکھے جاتے تھے۔ وہ ملک و جغرافیائی حدود و آب و ہوا گرد و پیش کی چیزوں کے اثر سے علیحدہ رکھے جاتے تھے۔ ان پر آبا و اجداد یعنی گذشتہ سلسلہ خاندان کے اثر اور ماں باپ کا اثر سے عرب کے عام اخلاقی خصوصیات سے بالکل جدا تھے۔ بنا برتحقیق یہ میولیان اصلی مکوّن نظام اخلاق کا آباؤ اجداد ہیں۔ قرآن مجید نے بھی بار بار اس مکوّن اخلاق کا تذکرہ کیا ہے۔ قالوا قد وجدنا آبائنا کذالک یفعلون۔ وہ لوگ کہتے ہیں ہم نے اپنے آبا و اجداد کو ایسا ہی کرتے پایا۔ قالوا حسبنا ما وجدنا علیہ آبائنا۔ وہ لوگ کہتے ہیں۔ ہم نے اپنے آبا و اجداد کو جس روش پر پایا۔ وہ ہمارے واسطے کافی ہے۔ قالوا بل نتبع ما وجدنا علیہ آبائنا۔ وہ کہتے ہیں ہم نے اپنے آبا و اجداد کو جس روش پر پایا ہم اُسی کی تقلید کرتے ہیں۔ بیشک یزید وہی کر رہا تھا۔ اور وہی کہہ رہا تھا۔ جو اس کے بزرگ کہہ رہے تھے۔ یا کرتے تھے۔ چنانچہ سر حسینؑ طشت میں سامنے رکھے ہوئے بھرے دربار میں اشعار میں

ایران کے ماتمی جلوس

اراکین انجمن اتحاد المومنین مزنگ لاہور
لاہور کی یہ انجمن تھرس دینی و قومی خدمات سرانجام دے رہی ہے

لیٹکلویں جناب مولانا سید اظہر حسن صاحب قبلہ زیدی

جناب سید اختر حسین صاحب شائق انبالوی

یہی تو کہہ رہا تھا کہ (کاش) آج میرے بزرگ جو جنگ بدر وغیرہ میں قتل ہوئے موجود ہوتے تو خوش ہو کر واہ واہ دیتے کہ میں نے ان کا کیسا انتقام لیا۔ سادات بنی ہاشم کو قتل کر کے بیشک میں عتبہ کی نسل میں شمار نہ ہوتا۔ جو آل احمد نبی سے جو کچھ کر کئے بدلہ نہ لیتا۔ درحقیقت بنی ہاشم نے ملک گیری کے ڈھکوسلے نکالے تھے۔ ورنہ نہ ان کے پاس وحی آئی۔ نہ کوئی فرشتہ آیا۔ (وسیلۃ النجات ملا مبین) اور امام حسینؑ بھی وہی کہہ رہے تھے۔ جو اُن کے آباؤ اجداد کر گئے اور کہہ گئے تھے۔ قدم قدم پر دین اسلام کا مظاہرہ ہو رہا تھا۔ اور اخلاق اسلامی کا مظاہرہ کر رہے تھے بنی امیہ ظاہری اسلام لائے۔ اور شرف صحبت رسولؐ بھی حاصل کیا۔ لیکن ایک ایک کر کے ہر ایک کی سوانحعمری اور سیرت دیکھ ڈالو۔ اوس کے بعد کہنا کہ کیا وہی اسلام تھا۔ جو رسولؐ لے کر آئے تھے۔ اور جس پر مسلمانوں کو فخر ہے استغفراللہ امام حسینؑ شہید نہ ہوتے اور اس سخت موقع پر کربلا کے اصول اسلامی اور اخلاقی رسالتی کا ایک ایک کر کے مظاہرہ نہ کرتے تو کون صورتی اسلام و حقیقی اسلام میں فرق و امتیاز کر سکتا

ع دین است حسینؑ دین پناہ است حسینؑ

اہل دنیا نے صرف شہادت حسینؑ سے حقیقت اسلام کو پہچانا۔ ورنہ نام کے مسلمانوں نے کب کا اسلام مسخ کر دیا تھا۔

(صفحہ ۳۳ سے آگے)

کرنے کے زیادہ موافق ہیں۔ اس قسم کا مشورہ کربلا کے ہیرو کے سامنے بھی پیش کیا گیا تھا۔ مگر اس جواں مرد انسان نے فوراً ہی مسترد کر دیا۔

اس سلسلے میں فراق صاحب یہ واقعہ بھی پیش نظر رکھیں کہ میدان کربلا میں پہنچ کر حسینؑ نے کس طریقہ سے اپنے ساتھیوں کے سامنے شب عاشور جنگ کا نتیجہ واضح اور غیر مشتبہ طور سے رکھ دیا تھا۔ اور انہیں یہ اختیار دے دیا تھا کہ شب کے پردہ میں وہ جہاں چاہیں چلے جائیں۔ اُن پر کسی قسم کی ذمہ داری عائد نہ ہوگی

کیا ایسا کوئی واقعہ فراق صاحب موجودہ روسی مقاومت کے طولانی سلسلے میں سے چن کر پیش کر سکتے ہیں؟ ناممکن اور بالکل ناممکن۔ فراق صاحب اچھی طرح ذہن نشین فرما لیں۔ کہ اگرچہ نازیت اور اشتراکیت بہت کچھ اپنے نظریۂ حیات کے حاظ سے مختلف ہیں۔ تاہم دونوں کا نقطۂ نظر مادی ہے۔ اس لئے ان کی دنیا میں ایسی خالص بے لوث قربانی و ایثار کا نمونہ ناممکن ہے۔

ہمارے سوشلسٹ اور کمیونسٹ احباب اپنے نظریوں کی حمایت میں اور جو کچھ چاہیں فرمائیں۔ لیکن تاریخی حقیقتوں کے ساتھ مذاق نہ فرمائیں۔ اور اس قسم کا مذاق تو موجودہ حالت میں اور بھی نازیبا و بیجا ہے جس سے دوسروں کے جذبات و احساسات کو تکلیف پہنچے۔

حسینؑ کامیاب ہوئے یا یزید

حکومت الٰہی کا طاغوتی لشکر سے مقابلہ

علامہ سید ابن حسن جارچوی

محرم کا مہینہ آگیا۔ اب ہر صداقت کوش دل ماتمکدہ بن جائے گا۔ اور ہر خدا پرست اور حق گو زبان

"یالیتنا کنا معکم فنفوز فوزاً عظیما"

(اے کربلا کے شہیدو! کاش ہم تمہارے ساتھ ہوتے اور اس زبردست معراج کامیابی پر فائز ہو جاتے)

کہنے لگے گی۔

تاریخ کے آئینہ میں جب ہم سانحہ کربلا پر نظر ڈالتے ہیں تو پہلے تو ہم کو چند لب بستہ دکھائی دیتے ہیں۔ چہرہ ریلے دوڑ رہی ہوئی ریت پر ایستادہ ہیں، پھر ان تشنہ لب بچوں اور سوگوار عورتوں کی گلوگیر آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ جن کو مسلمانوں کے عالم کے وفور نے بے حواس کر رکھا ہے۔ اس کے بعد ایک مختصر سی فوج دکھائی دیتی ہے جو اپنے سردار کے حکم کا انتظار کر رہی ہے۔ دن چڑھتا جاتا ہے۔ بہادر ساتھی آگے آگے کے میدان جنگ میں کام آرہے ہیں۔ یہاں تک کہ قاسم، عون و محمد، علی اکبر اور عباس بھی آگے بڑھے۔ اور داد شجاعت دے کر فنا کی آغوش میں غفلت کی نیند سو گئے۔ اب دن ڈھل رہا ہے۔ حسینؑ علی اصغر کی ننھی سی قبر بنا رہے ہیں۔ سورج مغرب کی طرف ذرا اور بڑھا۔ سائے لمبے ہونے لگے۔ فوجیں چاروں طرف سے سمٹ کر ایک جگہ جمع ہو گئیں۔ سارا میدان غبار آلود ہو گیا۔ غبار کی چادر چاک ہوئی۔ لو حسینؑ کا سر نیزے پر بلند ہے۔ خیمے تاراج کئے جا رہے ہیں۔ اور لاش مبارک پر گھوڑے دوڑانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ شام ہونے لگی۔

عمر سعد کے لشکر میں شادیانے بج رہے ہیں۔ حسین مظلوم کی خاک و خون آلود سپاہ رن میں پڑی ہے۔ خیام اہلبیتؑ کی جگہ راکھ کے چند ڈھیر نظر آتے ہیں۔ بہتّر سر نیزوں پر بلند ہیں عورتیں اور بچے سراسیمہ پھر رہے ہیں۔ فوجی باجے زور زور سے بجنے لگے۔ عمر سعد کرسی پر بیٹھا ہے۔ اور لوگ اس کو فتح و ظفر کی مبارکباد دے رہے ہیں۔

کامیابی کا سہرا تو عمر سعد کے سر رہا۔ فتح و ظفر تو کوفی لشکر کو حاصل ہوئی۔ پھر یہ دست بسینہ، چشم پرنم عزادار لوگ شہیدان کربلا کی کس کامیابی میں حصہ لینے کی تمنا کرتے ہیں۔ خدایا! تو نے کہا تھا۔ "ان حزب اللہ ھم الغلبون" (بیشک اللہ کی فوج غالب آتی ہے) انا لننصر رسلنا والذین امنوا فی الحیوۃ الدنیا (ہم یقیناً اسی دنیا میں اپنے رسولوں اور ایمان لانے والوں کی نصرت کرتے ہیں) پھر یہ کیا ہوا کہ طاغوتی قوتیں غالب آگئیں۔ ظلم و استبداد نے کامیابی حاصل کی۔ اور حق بے یار و مددگار رہ گیا۔ اور یہ حسینؑ ہی کے ساتھ نہیں ہوا۔ بلکہ نوحؑ۔ ابراہیمؑ ذکریاؑ یحییٰؑ۔ اور عیسیٰؑ سب کے سب دشمنوں کے ظلم و ستم سے تنگ آکر دنیا سے روانہ ہوئے۔ ایک طرف تو تو فرماتا ہے لاغلبن انا ورسلی (غلبہ اور فتح تو میرے اور میرے فرستادہ لوگوں کے لئے یقینی ہے) اور دوسری طرف انبیا و مرسلین کے مصائب کی دل ہلا دینے والی داستان سناتا ہے۔ کیا تعارض اور اختلاف کا یہ مظاہرہ قرآن کے "منزل من اللہ" ہونے کے

وعدے کو مشکوک نہیں کر دیتا۔ لوکان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً۔ (اگر یہ قرآن اللہ کے سوا کسی دوسرے کی طرف سے ہوتا تو لوگ اس میں بہت اختلاف پاتے۔

اقتدار پرست اور سرمایہ دوست انسان کسی شخص کی کامیابی کا اندازہ اس کے ظاہری جاہ و جلال، تسلط اور اقتدار سے لگاتے ہیں۔ ان کے نزدیک سونے چاندی کا ڈھیر، یاقوت و الماس کا انبار، آہن پوش فوجوں کا ہجوم اور زیر نگیں ملکوں کا طول و عرض جس قدر بڑھتا جاتا ہے کامیابی میں اسی قدر اضافہ ہوتا ہے لیکن خدا کے نزدیک ملکوں کی تاخت و تاراج، خزانوں کی لوٹ مار اور ایک قوم پر دوسری قوم کے تسلط کا نام فتح نہیں۔ وہ بلند اصول زندگی کے غلبہ کو فتح کہتا ہے۔ جو فوجوں کی مدد سے تلوار کو کام میں لا کر داؤ پیچ کھیل کر نہیں۔ بلکہ افہام و تفہیم اور تعلیم و تلقین سے حاصل ہوتی ہے۔ کشورستان اور ملک گیر تیر و شمشیر، توپ و تفنگ، سلب و نہب، قید و بند اور زہر و قتل کے سامان لے کر نکلتے ہیں۔ مگر دل کی دنیا من کے سنسار اور کائنات قلب کے تسخیر کرنے والوں کے پاس صبر و استقلال کا متاع گرانمایہ ہوتا ہے۔ ملک گیر کی عظمت ظلم و ستم کے نت نئے مظاہروں سے قائم ہوتی ہے اور دل کی دنیا میں انقلاب لانے والے اپنی عدیم النظیر قوت برداشت کو نشانِ صداقت قرار دیتے ہیں۔ ظاہر پرست

حسینؑ خلافت کے لئے لڑے۔ انہوں نے غلطی کی وہ حکومت کے باغی تھے......

ــــــ یہ صدا اُٹھی اور دب گئی ــــــ

حسینؑ انسانیت اور اسلام اور صداقت کے لئے شہید ہوئے۔

ــــــ یہ صدا بلند ہوئی اور ہوتی گئی ــــــ

کیوں؟

اس لئے کہ سچ کا ہمیشہ بول بالا ہوتا ہے

دنیا سکندر، ہنی بال، چنگیز، ہلاکو اور نپولین کو کامیاب انسان سمجھتی ہے۔ مگر خدا فرماتا ہے۔ والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین آمنوا و عملوا الصالحات و تواصوا بالحق و تواصوا بالصبر (زمانہ شاہد ہے کہ تمام کے تمام سارے انسان گھاٹے میں ہیں۔ سوائے ان کے جو ایمان لائے عمل صالح بجا لائے اور حق اور صبر و استقامت کی لوگوں کو تلقین کرتے رہے)

اس آئینہ کے ایک ایک حصہ پر غور کیجئے۔ دیکھئے خدا دل بادل لشکروں کے جرنیلوں، قارون صفت سرمایہ داروں اور فرعون اعمال شہنشاہوں کو کامیاب انسان نہیں کہہ رہا۔ وہ تو سب گھاٹے میں ہیں۔ کامیاب صرف وہ ہیں۔ جو ایمان کی دولت سے مالا مال ہیں عمل صالح کا خزانہ رکھتے ہیں۔ اور صبر و استقامت کے دل بادل لشکران کے ساتھ ہیں۔ وہ نہ صرف خود صابر و شاکر ہیں۔ بلکہ دوسروں کو بھی اس راہ مستقیم پر چلنے کی وصیت کرتے رہتے ہیں۔ جو اسرنگار تخت پر بیٹھنے والے صبر و استقامت کی عملی تعلیم نہیں دے سکتے۔ یہ منصب ان شہیدوں کا ہے۔ جو اپنے زخمی اور خون آلود ہاتھوں سے تیمم کر کے فوجوں کے نرغوں میں تلواروں کے زیر سایہ نماز جماعت ادا کرتے ہیں۔ اور جب موت کے خنک ہاتھ جماعت کو تھپک تھپک کر سلا دیتے ہیں۔ تو خود بھی آخری سجدے کے لئے محراب خنجر میں جھک جاتے ہیں۔ سلام اللہ علی الحسین و آلہ و آبائہ۔

خدا نے اپنے اور اپنے رسولوں کے جس غلبہ کا ذکر کیا ہے۔ دنیا اس کے معنی غلط سمجھ رہی ہے۔ قوت پرستی کا مرض عام ہو رہا تھا۔ ہر وہ شخص جو چند زر پرست فوجوں کی مدد سے مادی غلبہ حاصل کر لیتا تھا۔ مامور من اللہ بنا بیٹھا تھا۔ حسینؑ نے خاک و خون میں غلطاں ہو کر ظاہری طور پر شکست کھا کر یہ حقیقت عریاں کر دی کہ اصول کی فتح مادی قوتوں کی محتاج نہیں ہے۔ الحق یعلو ولا یعلیٰ کے یہ معنی نہیں ہیں۔ کہ دولت و ثروت، حکومت و سلطنت ہمیشہ حق پرستوں کے ہاتھ میں رہی ہے۔ اور راست بازوں اور صداقت شعاروں کے علم ہمیشہ سربلند اور باطل پرستوں اور ناحق کوشوں کے جھنڈے ہمیشہ سرنگوں ہوتے رہے ہیں۔ بلکہ غلبۂ حق کے معنی یہ ہیں کہ گو زبانیں اس کا انکار کرتی ہیں سر اس کے سامنے جھکنے سے بیزاری ظاہر کریں۔ مگر دل کی دنیا اس کی طرف مائل ہو اور کشور قلب پر اسی کا علم لہرا رہا ہو۔ عرب کے مشہور شاعر فرزدق نے غلبۂ حق کی تصویر کشی کسی خوبصورتی کے ساتھ کی ہے۔

"مولا! اہل کوفہ کے دل آپ کے ساتھ۔ اور تلواریں یزید کے ساتھ ہیں"۔

تاریخ کے صفحات دیکھئے۔ حسینؑ کے غلبہ کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہوگا۔ کہ جس تخت سے ان کے قتل کا فرمان جاری ہوا تھا۔ اسی تخت پر ان کے حقوق کا اعتراف کیا گیا۔

ذرا شام کے رسوائے عالم فرزند یزید کا دور ختم ہو چکا۔ اب دمشق میں معاویہ بن یزید کے جشن تخت نشینی کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ قبائل کے سردار، فوجوں کے جرنیل امراء اور رؤسا دربار میں جمع ہیں۔ یکایک حرم سرا کا پردہ اٹھا۔ اور ہونے والے خلیفہ برآمد ہوئے۔ لوگوں نے ان کو

آج
چالیس کروڑ انسان
اس اسلام کا کلمہ پڑھتے ہیں جس کی بنیادیں
کربلا میں
بہتر (۷۲) انسانوں نے
اپنے خون سے مستحکم کیں

ہاتھوں ہاتھ مسند تک پہنچایا۔ اور مناسب وہا موقع تمہید کے بعد عنان خلافت سنبھالنے کی درخواست کی۔ معاویہ نے پرنم آنکھوں اور گلوگیر آواز سے حسب ذیل اعلان کیا:۔

"لوگو! میں آپ کا ممنون ہوں۔ کہ آپ مجھ کو ایک عظیم الشان حکومت کا وارث بناتے ہیں۔ مگر میں اپنے آپ کو اس منصب جلیل کا اہل نہیں سمجھتا۔ یہ بنی فاطمہ کا حق ہے۔ میرے باپ دادا نے اس کو غصب کر لیا تھا ان کے نقش قدم پر چل کر میں اپنے آپ کو جہنم کا کندہ نہیں بنانا چاہتا۔ اس صلحنامہ کی رو سے جو میرے دادا معاویہ اور امام حسنؑ کے درمیان ہوا تھا۔ یہ حکومت امام حسینؑ کا حق ہے۔ مگر افسوس وہ آج دنیا میں موجود نہیں۔ اب میں ان کے فرزند علیؑ کو اس منصب کا مستحق سمجھتا ہوں"۔

یہ کہہ کر معاویہ حرم سرا کی طرف چلے گئے۔ اور حاضرین ایک دوسرے کا منہ تکتے رہ گئے۔

آج معاویہ بن ابی سفیان ہوتے۔ اور دیکھتے کہ وہ حکومت جو انہوں نے خدا اور رسولؐ کا مقابلہ کر کے قائم کی تھی۔ اور جس کو اپنے خاندان کی میراث بنانے کیلئے ایڑی سے چوٹی تک زور لگا دیا تھا۔ کسطرح ان کے گھر سے نکل رہی ہے۔ خیر حکومت تو کیا رہتی کہ یہ ڈھلتی ہوئی دھوپ کی طرح ہے خاندان تک کا نام و نشان مٹ گیا۔ اور چند سال کی رنگ رلیوں کا کفارہ اس طرح ادا کرنا پڑا کہ آج ان کا نام گالی کا مترادف ہے۔ اور آل محمد کو دیکھئے۔ وہ آج بھی دنیا کے دلوں پر حکومت کر رہے ہیں۔ ان کا جاہ و جلال لازوال ہے۔ اور غلبہ و استیلاء دائمی۔ جن لوگوں نے نجف کربلا کاظمین اور مشہد میں فاطمی دربار دیکھے ہیں وہ انا لننصر رسلنا والذین امنوا فی الحیواۃ الدنیا کی صداقت کا (باقی صفحہ ۸۶ پر)
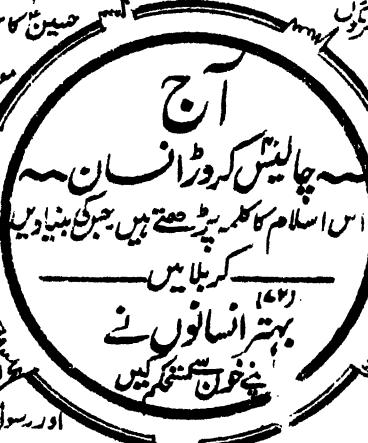
کربلا والوں کا عملی پروگرام

مولانا سید ظفر حسن امروہوی

یہ دیکھتے ہوئے کہ مسلمانوں کے اعضائے عمل مفلوج ہو چکے ہیں۔ اور ایمانی خون میں اتنی گرمی باقی نہیں رہی۔ کہ رگ حمیت کو پھڑکا سکے۔ اس کی چشم ادراک اپنی بینائی اس حد تک کھو بیٹھی ہے۔ کہ حق و باطل میں امتیاز کرنے سے قاصر ہے ان کے روحانی حواس اس درجہ مختل ہو گئے ہیں۔ کہ خدا پرستی کا احساس ان سے کنارہ کش ہو گیا ہے۔ امام حسین علیہ السلام نے اپنی مقدس زندگی کا ایک ایسا مکمل پروگرام تیار کیا۔ جس نے دین ختم المرسلین کے مٹتے نقوش کو از سر نو صفحۂ عالم پر اس حد تک ابھار دیا کہ اب قیامت تک باطل پرستی کی زبردست سے زبردست نگڑ۔ خود غرضی اور استبداد پسندی کا خوفناک سے خوفناک سیلاب ان کو فنا کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔

اس بہترین پروگرام کے بروئے کار لانے میں کچھ عورتیں کچھ مرد۔ کچھ جوان کچھ بوڑھے۔ کچھ نوجوان اور کچھ کمسن بچے شامل تھے۔ حسینؑ کی اس انتخابی نظر کی داد کون دے سکتا ہے۔ کہ اس عملی پروگرام کو حد اختتام تک پہنچانے کے لئے صرف ایسے ہی لوگوں کو نظر انتخاب میں لیا گیا جنکے سینوں میں محبت ایمان سے گرمائے ہوئے دل اور جن کی نبضوں میں انسانیت کی تڑپ تھی۔ سن و سال کے لحاظ سے چاہے ان میں کمی بیشی تھی۔ مگر عزم و استقلال۔ صدق و صفا۔ وفا و حمیت شجاعت و خودداری وغیرہ میں سر مو فرق نہ تھا۔

یہ عملی پروگرام ماہ شعبان ۶۰ھ کی چوتھی تاریخ سے شروع ہوا۔ اس کا پہلا قدم یہ تھا۔ کہ عزیز وطن جو روحانیت کا قبلہ خدا پرستی کا کعبہ۔ رسولؐ اسلام کا ہجرت گاہ۔ محمدؐ مصطفےٰ کا مدفن۔ فرشتوں کا مہبط تھا۔ انتہائی حزن و یاس اور ناقابل بیان اضطراب اور سراسیمگی کے ساتھ چھوڑنے پر کمر ہمت باندھ لی۔ اور ان تمام وسائل سے یکایک منہ پھیر لیا۔ جو ایک مظلوم کو ظالم کے شر سے بچانے میں سینہ سپر بن جایا کرتے ہیں۔ انسان کو وطن میں بہت سی سہولتیں ممکن ہوتی ہیں۔ دیرینہ تعلقات کی بنا پر ستم رسیدوں کی فریادیں ہموطنوں کے دل میں نشتر بن کر گھس جایا کرتی ہیں قدیم راہ و رسم مدد کے لئے سرد اور بے حس دلوں میں بھی گرمی پیدا کر دیا کرتی ہے۔ اگر امام حسینؑ مدینہ میں رہتے۔ تو شاید دشمن سے مقابلہ کے لئے انہیں اپنے ہموطنوں کی بہت بڑی ہمدردی حاصل ہو جاتی۔ اور اپنی قوت سے ایک مدت دراز تک اپنے خون کے پیاسوں کو بدحواس و ناکام بنا کے رکھ سکتے۔ مگر حسینؑ کی دوربین نگاہ نے اپنے عملی پروگرام میں اس مد کو داخل نہیں کیا۔ کیونکہ اس صورت میں نقصان وزن فائدہ سے زیادہ نظر آرہا تھا۔

(۱) مدینہ حرم رسولؐ تھا۔ جس کی حرمت کا ہر لحظہ حسینؑ کے ایمان نواز دل میں احساس تھا۔ آپ کے قدر شناس دل نے اس بات کو گوارا نہ کیا۔ کہ مدینہ کے ان گلی کوچوں میں جنکو اپنے ذروں پر سرتاج انبیا کے نشان قدم لینے کا فخر حاصل ہو چکا ہے۔ مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہ جائیں۔ اور اس مقدس سرزمین کا احترام خاک میں مل جائے۔ یزید ایسا کر سکتا تھا۔ اور اس نے کیا۔ لیکن حسینؑ سے ایسا ممکن نہ تھا۔ یہ پہلا فرق تھا۔ جو یزیدیت و حسینیت کے مابین باریک بین نگاہوں کے سامنے آیا۔

(۲) مدینہ میں رہ کر دشمن سے جنگ کرنے میں

اگر حسینؑ کو یزید کی اس عسکری قوت پر جو اس وقت مدینہ میں موجود تھی۔ فتح حاصل ہو جاتی۔ تو ایک طولانی جنگ کی بنیاد پڑ جاتی۔ شام و عراق و حجاز کی فوجیں یزید بھیجتا رہتا اور حسینؑ کو ان سے جنگ کرنے کے لئے بار بار تیار رہنا پڑتا اس صورت میں ان کے بے شمار ہم وطن مارے جاتے۔ اور مدینہ رسولؐ تباہ و برباد ہو جاتا۔ جس کا صدمہ حسینؑ کی زندگی کو ناقابل بیان حد تک تلخ بنا دیتا۔ بے قصور ہم وطنوں کو وہ ظالموں کی لکد کوب میں نہیں رکھنا چاہتے تھے۔ اگر انجام کار فتح حسینؑ ہی کی ہوتی۔ تو شاید اس بنا پر اس کا اقتدار زیادہ نہ ہوتا۔ کہ حسینؑ کو مقامی سہولتیں حاصل تھیں۔ اور در صورت شکست مظلومیت اپنا پرتو نہ ڈالتی۔ اور حسینیت کا موجودہ احترام کسی قدر کمزور پڑ جاتا۔ یہ دوسرا فرق تھا۔ جو حسینؑ و یزید کی شخصیت میں لوگوں کو نظر آیا۔

(۳) جاہ پرستی کے شکار اور حقیقت ناشناسی کے بیمار حسینؑ کی ذات پر یہ الزام قائم کئے بغیر نہ رہتے کہ حسینؑ نے اپنے وطن میں یزیدی سلطنت کو توڑنا چاہا تھا۔ اور اپنی حکومت کی طرف لوگوں کو مائل کیا تھا۔ اس بنا پر حسینؑ کا قتل یزید پر لازم ہوا۔ حسینؑ اپنی بے گناہی اور مظلومیت کے دامن پر یہ الزامی دھبہ لگنے کے لئے تیار نہ ہوئے۔

(۴) شاید مدینہ میں رہ کر جنگ کی پہل حسینؑ کی طرف سے ہو جاتی۔ اور لوگوں کو یہ کہنے کا موقع مل جاتا۔ کہ بغاوت کی خاک مدینہ میں حسینؑ نے اڑائی۔ اور اس کو دبانے کیلئے یزید نے فوج کشی کی۔ حسینؑ اس ناروا الزام سے اپنے کو بچانا چاہتے تھے۔

(۵) حسینؑ اپنی اس وینداری جنگ کو جس سے حق و باطل کا عظیم الشان نمایاں فیصلہ ہونے والا تھا۔ ملکی و سیاسی جنگ میں تبدیل کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ عبداللہ بن زبیر اپنے وطن میں یزید سے لڑے جو حشر ان کا ہوا وہی حسینؑ کا ہوتا۔ اب سمجھ لیجئے کہ حسینؑ کی نگاہ کتنی دور رس تھی۔ اور عام سرداران عرب میں اور حسینؑ میں کیا فرق تھا۔ مذکورہ بالا تمام نقائص پر نظر رکھ کر امام مظلوم نے قیام مدینہ کو اپنے پروگرام سے خارج کر دیا۔ اور اپنے عمل کا یہ نقشہ نکتہ شناس نگاہوں کے سامنے پھیلا دیا۔ کہ وقت ضرورت ان امور کو نظر انداز نہ کرنا چاہیئے۔ حسینؑ کا یہ پہلا عملی قدم اتنا صحیح پڑ رہا تھا۔ کہ آپ کے تمام ساتھیوں نے بے چون و چرا اس کو قبول کر لیا۔ عورت ہو یا مرد۔ جوان ہو یا بوڑھا کسی نے لب کشائی کا موقع نہ سمجھا۔ جو اس امر کا بیّن ثبوت ہے۔ کہ ان سب کی نگاہوں میں حسین علیہ السلام دشمن کی وحشیانہ قوت کے مقابل جو کچھ کر رہے تھے۔ وہ وہی عمل تھا۔ جو ایسے موقع پر از روئے مصلحت بینی اور دور اندیشی ہونا چاہیئے تھا سطحی نگاہوں نے ضرور اس کو حیرت کے ساتھ دیکھا۔ اور اس عزم کے توڑنے میں اپنی زبان کا پورا اثر صرف کیا۔ مگر کامیابی نہ ہوئی۔ عبداللہ ابن عمر عبداللہ بن عباس وغیرہ حقیقت آشنائی سے بہت دور تھے۔ ان کی نگاہیں دور رس نہ تھیں۔ حسین علیہ السلام نے ان کو انہی کے خیال کے مطابق مختصر سا جواب دے کر خاموش کر دیا۔

حسینؑ کا دوسرا عملی قدم یہ تھا کہ وہ مدینہ سے مکہ معظمہ میں جائیں اور بیت اللہ میں پناہ لیں۔ اس کی تہ میں بھی بہت سے سربستہ راز تھے۔ اول خدا کے گھر سے بہتر جائے امن نہیں۔ لہٰذا مصیبت کے وقت اس گھر کی طرف
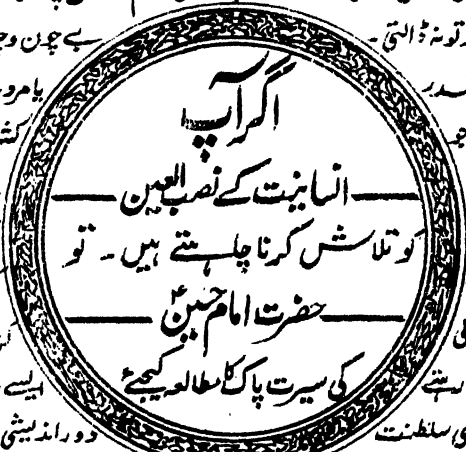
کیوں نہ رجوع کرتے۔ جس کی صفت ہے "من دخلہ کان امنا" (جو اس میں داخل ہو گیا اس نے امان پائی) اگر کعبہ کو چھوڑ کر کسی دوسری طرف چلے جاتے۔ تو بہت سے لوگوں کو یہ طعن کرنے کا موقع ملتا۔ کہ نبی زادے کا ایمان ناقص تھا جب ہی تو خدا کے گھر میں جا کر پناہ نہ لی۔ یزید چاہے کتنا ہی بدکردار تھا۔ مگر خدا کے گھر میں پناہ لینے والے کو ہرگز نہ ستاتا۔ حسینؑ کو اس غلط اندیشی کا انسداد مقصود تھا۔ دوسرے اہل مکہ کے ایمان کا جائزہ لینا تھا۔ کہ وہ ایک غریب الدیار نبی زادے کا ساتھ کس حد تک دیتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ دنیا کو ان کی قوت ایمانی کا صحیح صحیح اندازہ کرا دینا تھا۔ تیسرے اس امر کا اندازہ کرنا منظور تھا۔ کہ دشمن کہاں تک درپئے آزار ہے۔ اگر اس نے میرے ترک وطن سے سکون حاصل کر لیا۔ تو بقیہ عمر حرم محترم میں گذار دوں گا۔ اور اگر یہاں تک تعاقب کیا تو مجھے اور میرے ساتھ عام مسلمانوں کو اس کا اندازہ ہو جائے گا۔ کہ یزید کی عداوت نے کس درجہ وحشیانہ شدت اختیار کر لی ہے۔ اس عمل سے مسلمانوں کو یہ درس دینا مقصود تھا۔ کہ دشمن کی عداوت و خصومت کو پہلے اچھی طرح تجربہ کی نظر میں تول لینا چاہیئے۔ تب اس کے موافق عملی قدم اٹھانا چاہیئے۔

حسینؑ کے پروگرام کی تیسری مد یہ تھی۔ کہ عین حج کے موقعہ پر خانہ کعبہ سے باہر نکل آئے۔ اس عملی اقدام میں بھی بہت سے روشن نکتے تھے۔ اوّل حج جیسے فریضہ کو بغیر پورا کئے ہوئے ترک کرنا دنیا والوں کو یہ سمجھانا تھا۔ کہ خطرہ غیر معمولی طور پر عظیم الشان تھا۔ اگر صرف جان جانے ہی کا خطرہ ہوتا۔ تو واللہ حسینؑ ہرگز ہرگز اس فریضہ کو بغیر تمام کئے نہ چھوڑتے۔ اس خطرہ کی اہمیت خانہ کعبہ کی حرمت

بہت زیادہ بڑھا دی تھی۔ یزید نے چالیس بدمعاش حاجیوں کے لباس میں اس غرض سے بھیجے تھے۔ کہ عین خانہ کعبہ کے اندر حسینؑ کو قتل کر دیا جائے۔ حسینؑ کی ایمانی قوت نے گوارا نہ کیا کہ ان کا خون بہنے سے حرمت بیت اللہ ضائع ہو جائے۔ اور آگے بڑھ کر یہ کلیہ ٹوٹ جائے کہ جو خانہ خدا میں پناہ لیتا ہے تو شرِ اعداء سے محفوظ رہتا ہے۔ حسینؑ کا خون بہتے ہی اس قانون کا اقتدار دم بھر میں خاک میں مل جاتا۔ بیشک حج کے فریضہ سے یہ حرمت مقدم تھی۔ حسینؑ چاہتے تھے۔ کہ مسلمان اس کا احساس کریں۔ کہ ایک نبی زادہ اتنے بڑے فریضہ کو ناتمام چھوڑ کر کیوں چلا گیا۔ اس جستجو میں ضرور ان کو یزیدی استبداد و بربریت کا پتہ چل جائے گا۔ اور اس بات کے سمجھنے میں مدد ملے گی۔ کہ جو فاقد الایمان خدائی عہد کو پورا نہ کر سکا۔ اور بیت اللہ کی ہتک حرمت پر اتر آیا۔ وہ اگر مجھ سے امن و امان کے کچھ وعدے کرے گا۔ تو کب اس پر قائم رہے گا اس کا ایمان خود غرضی کے چشمہ سے چکنا چور ہو چکا ہے۔ ایسی حالت میں میں اپنا ہاتھ بیعت کے لئے کیونکر بڑھا سکتا ہوں۔ یہ حسینی پروگرام کی وہ منتخم و پُرزور مد تھی۔ جس کی خاموش سطح پر بے شمار اسرار اپنی چمک دکھا رہے تھے۔ اس عملی قدم نے بہتوں کو حیرت میں ڈال۔ اور عقل انسانی کو یزید کے کیریکٹر پر غور و خوض کرنے کی دعوت دی۔ لوگوں نے حسینؑ سے وجہ پوچھی۔ اور حسینؑ نے حقیقت کے چہرہ کو نقاب کو الٹا۔ زہیر قین باوجودیکہ منزل پر الگ خیمہ لگائے بیٹھے تھے۔ مگر اسی راز کے منکشف ہونے پر اپنا خیمہ اٹھا کر حسینی خیمہ گاہ میں لے آئے۔ اور پھر مرتے دم تک ساتھ نہ چھوڑا۔ اس عمل نے یہ تعلیم دی۔ کہ دشمن کا مقابلہ صرف تیغ و تیر ہی سے نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے

آج ہمیں

حسینؑ کی جگائی ہوئی اس روح کی ضرورت ہے۔ جو پراگندہ شیرازے کو ایک جگہ اکٹھا کر سکے۔ جو حق و باطل میں امتیاز کر سکے۔ جو بغیر کسی خوف کے باطل کے سامنے نعرہ حق بلند کر سکے

بدنما کیریکٹر کو حسن تدبیر کے ساتھ بے نقاب کرنے سے بھی ہوتا ہے۔ تلوار صرف دشمن کا خون بہا سکتی۔ لیکن کیریکٹر کی بدنمائی کا اعلان ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اس کے اثرات کو انسانی قلوب سے محو کر دیتا ہے۔

اس عملی پروگرام کی چوتھی دفعہ یہ تھی۔ کہ جناب مسلم بن عقیل کو کوفہ کی طرف بھیجا گیا تاکہ اس شکایت کا سدباب کیا جائے کہ ہم نے ہدایت کے لئے سینکڑوں خطوط لکھ کر بلایا ہر طرح مدد کا وعدہ کیا۔ مگر حسینؑ ٹس سے مس نہ ہوئے حسینؑ اپنے روحانی کیریکٹر کے دامن پر اس ناروا غفلت کا دھبہ لینا نہیں چاہتے تھے۔ جو شرط انسانیت تھی۔ اس کو پورا کیا گیا۔ اور اپنے عزیز ترین برادر کو ان کی ہدایت کے لئے بھیجدیا۔ حجت تمام ہو گئی ہدایت اپنے فرض سے سبکدوش ہوئی۔ مسلم حسینؑ کے ایلچی نہ تھے بلکہ حسینؑ نے مومن و منافق صادق و کاذب۔ غدار و وفادار دوست اور دشمن کے جانچنے کی ایک کسوٹی بھیجی تھی۔ اور اس نے دنیا کو یہ دکھانا تھا کہ اس حسن سلوک کے بعد جو وحشیانہ عمل..... ہمارے ساتھ کیا گیا۔ وہ کس کس بات کی امید دلانے والا ہو سکتا ہے مسلمان ٹھنڈے دل سے اس کو سوچیں۔ اس سے بالاتر بات یہ ہے۔ کہ حسینؑ اپنی شہادت کے اثر کو صرف کربلا ہی کی خاموش فضا میں ختم کر دینا نہیں چاہتے تھے بلکہ اس کو عالمگیر کرنا چاہتے تھے۔ وہ ظالم کو مظلوم کے ستانے کی ایسی خوفناک سزا دنیا میں بھی دلانی چاہتے تھے۔ جس سے سننے والوں کو عبرت ہو۔ اس پروگرام کو مسلم بن عقیل کے ہاتھ میں دیا۔ کہ تم کوفہ جاؤ کہ تمہارے واقعات سے میری مظلومیت

حسینؑ اور آپ کے

رفقاء

ایک ایسی جماعت تھی

جو ہر معاملہ میں اور ہر بات میں ایک دل اور ایک زبان ہو

دنیا کے پردے پر کسی زمانہ میں کسی مقام پر ایسی جماعت

جمع نہیں ہوئی معلوم ہوتا ہے

حسینؑ

دل کی حیثیت رکھتے ہیں اور آپ کے

رفقاء اعضاء و جوارح

ہیں

کے بازوؤں میں بھی بہت زیادہ قوت پیدا ہو جائے گی۔ چنانچہ شہادت امام مظلوم کے بعد جو یکایک کوفہ کی حالت میں غیر معمولی تبدیلی پیدا ہوئی۔ اور وہاں کا ایک ایک ذرہ شمشیر بکف ہو کر یزیدی حکومت کے مقابل آ گیا۔ وہ درحقیقت تلافی مافات تھی۔ جن لوگوں نے جناب مسلم کو بلایا یا پناہ دی تھی۔ اور پھر ابن زیاد کے خوف سے یا بطمع زر نصرت جناب مسلم سے دست کش ہو گئے تھے۔ ان کو واقعہ کربلا کے بعد اس کا احساس ہوا کہ ہماری بزدلی اور بے حمیتی نے اہلبیت رسولؐ پر یہ بلا نازل کی۔ عرق ندامت چہروں سے ٹپکا اور تلواریں نیام سے نکل آئیں قاتلان حسینؑ سے جی کھول کر بدلے لئے۔ جس کوفہ میں جناب مسلم کی لاش کو گھسیٹا گیا تھا۔ وہیں سنان و شمر و خولی کے لاشے سڑکوں پر کھینچے گئے۔ اور پھر آگ کے شعلوں کی نذر کئے گئے۔ کوفہ کے اس عام ایجی ٹیشن میں شہادت جناب مسلم کو بہت بڑا دخل تھا۔ کیونکہ وہ دردناک واقعہ سب کی نگاہوں کے سامنے گزرا تھا حسینؑ کے اس اقدام نے یہ سبق دیا۔ کہ کسی مسلمان کو مسلمان سے بدگمان نہ ہونا چاہیئے تاوقتیکہ بدگمانی کے صحیح اسباب پیدا نہ ہوں۔ باوجودیکہ اہل کوفہ کے متعلق یہ مشہور تھا "کوفی لا یوفی" مگر میں نے بدگمانی کو راہ نہ دی۔ اور ان کی طلب پر پہلے اپنے بھائی کو بھیجا اور پھر خود ادھر کا ارادہ کیا۔

پانچویں دفعہ اس روحانی پروگرام کی یہ تھی۔ کہ عین مصیبت کے وقت ہم خون کے پیاسے دشمن سے احسان کریں گے۔ چنانچہ حُر کی پیاسی فوج کو پانی پلا دیا گیا۔ ایسے وقت عموماً دشمن کو ہلاک کرنے کی تدبیر کی جاتی ہے۔ نہ کہ اس کی

حسینؑ کی جنگ

کوئی مادی جنگ نہ تھی۔ بلکہ دو نظریوں کی جنگ تھی۔ اصل میں
حسینؑ نے کوئی جنگ ہی نہیں کی۔ کیونکہ یہ مقابلہ کسی شخصیت کے
ساتھ نہ تھا۔ بلکہ اس کے کردار اور خیالات کے خلاف تھا۔ اگر حسینؑ
مادی جنگ کرنا چاہتے۔ تو ظاہری فتح بھی حاصل کر سکتے تھے۔ لیکن اس سے
وہ مقصد حاصل نہ ہوتا۔ جس کے لئے آپ اٹھے ہوئے تھے۔ یزید نے
آزادی قول و عمل کو فنا کر دیا تھا۔ اور حسینؑ
اس چیز کی حفاظت کیلئے میدان میں
آئے تھے اور آخر کار آپ آزادی ضمیر
پیدا کرنے میں کامیاب ہوئے

جان بچانے کی۔ لیکن حسینؑ نے ایسا نہیں کیا۔ یہ حسن عمل بھی
بے شمار مصالح پر مبنی تھا۔ اوّل دشمن کے دل پر اپنی انسانیت
کا نقش جمانا تھا۔ اور خدا ترسی کا بہترین مظاہرہ کرانا تھا۔ دوسرے
یہ بتانا تھا کہ ہم محض قیاس و گمان پر کسی سے بدظن نہیں ہوتے
جب تک وہ عداوت کا کسی طریق سے اظہار نہ کرے ہم
اس کو خواہ مخواہ دشمن نہیں سمجھتے۔ دوسرے [illegible] لشکر کے دل کو
اپنے حسن سلوک سے موہ لینا تھا۔ تاکہ چند روز بعد دشمن کی
بے پناہ طاقت کو ہیچ سمجھ کر ہماری بے کسی و بے بسی کی طرف
کھنچ آئے۔ چنانچہ یہ عمل درست بیٹھا۔ حر تھا جو شور
کو کھینچ لایا۔ تیسرے اپنی طرف سے بجھے شر
کے خیر کی ابتدا کرنی تھی۔

چھٹی دفعہ اس پروگرام
کی یہ تھی۔ کہ نہ کرنے کے [illegible]
جا کر اتر پڑے۔ اور جب [illegible]
دشمن ہو گئے تو پانی [illegible]
جیسی ضروری چیز کو چھوڑ [illegible]
کہ وہاں سے ہٹ جائیں [illegible]
گئے۔ تاکہ ہمارے اس عمل سے لوگ [illegible]
یہ نتیجہ نکال سکیں۔ کہ شمر ہماری طبیعتوں [illegible]
سے کوسوں دور ہے۔ دوسرے ہم اپنی طرف
سے جنگ کی ابتدا نہیں کرتے۔ تیسرے ہم پیاس سے
مرنا گوارا کر لیتے ہیں۔ مگر امن عامہ میں خلل ڈالنا نہیں چاہتے
مسلمانوں میں تفرقے کی صورت تا حد امکان پیدا نہیں کرتے
چوتھے دنیا کو یہ دکھانا ہے کہ ہمارا مخالف کیسا قسی القلب اور
سنگدل تھا۔ کہ ہمارے ننھے ننھے بچے پیاس سے تڑپتے تھے
اور مزے سے ٹھنڈے پانی کے جام پر جام پیتا تھا۔ پانچویں
جب ہم پانی جیسی ضروری چیز پر شمشیر بکف ہو کر نہ لڑے۔ جس
پر انسانی زندگی کا دار و مدار ہے تو بھلا ملک و دولت پر کیا
لڑتے۔ جن کے بغیر لاکھوں آدمیوں کی دنیا میں بسر ہو رہی ہے

چھٹے نہیں پیاسا رہ کر ایک طرف اپنے صبر کا حیرت انگیز نمونہ
دکھانا ہے۔ دوسری طرف شجاعت و بسالت کا۔ تین روز کی
بھوک پیاس میں کوئی ہماری طرح شکوہ سے لب آشنا نہ کرے
تو جانیں کہ صابر ہے۔ ہماری طرح عبادت کرے تو جانیں کہ
شاکر ہے۔ ہماری طرح شیرانہ جنگ کرے تو جانیں کہ بہادر ہے

ساتویں دفعہ اس پروگرام کی یہ تھی۔ کہ آخر وقت تک
دشمن سے صلح کی بات چیت کرتے رہیں گے۔ اور "الصلح خیر" پر
عمل کریں گے۔ تاکہ دنیا پر [illegible] جنگ میں کوئی
[illegible] تھی۔ بلکہ اس کا یقین [illegible] رہ سکے کہ
ہمارا دل بالکل صاف [illegible] ہم تفریق بین المسلمین کے
[illegible] نہ تھے۔ ہم [illegible] اور خونریزی کو اچھا
[illegible] نہیں سمجھتے تھے۔ ہم "جیو اور جینے دو"
کے زریں اصول پر عمل کرنے
والے تھے۔ کیا مسلمان
ہمارے شرائط صلح پر
بھی غائبانہ نظر ڈالیں
گے؟ کیا انہیں یہ معلوم
کرنے کی جستجو ہو گی۔ کہ حسینؑ نے
کیا شرائط پیش کی تھیں۔ اس کو جستجو کے بعد یہ
پتہ چل جائے گا۔ کہ ہم نے یہ نہیں کہا تھا۔ کہ اگر اپنے
ملک کا کچھ حصہ ہم کو دیدو تو ہم صلح کر لیں۔ ہم نے یہ
نہیں کہا تھا۔ کہ کوئی بڑا وظیفہ مقرر کر دو۔ تو صلح کر لیں۔ ہم نے
یہ نہیں کہا تھا کہ کوئی خزانہ ہمکو دیدو تو ہم راضی ہو جائیں گے۔
بلکہ ہم نے شروع سے آخر تک یہی کہا کہ اگر ہمارا اس طرف آنا
تمہیں ناگوار ہے۔ تو ہمارا راستہ چھوڑ دو۔ ہم کسی اور طرف چلے
جائیں گے۔ ہم تم سے جنگ کرنے کا خیال نہیں رکھتے۔ اگر ایسا
ارادہ ہوتا۔ تو تمہاری طرح ہم بھی لشکر جمع کر کے لاتے۔ اگر ایسا
قصد ہوتا۔ تو ہم عورتوں اور بچوں کو اپنے ساتھ نہ لاتے۔ مگر بے حیا
دشمن۔ غدار دشمن نا عاقبت اندیش کم ظرف دشمن یہی رٹ لگاتا

رہا۔ کہ جب تک یزید کی بیعت نہ کرو گے۔ ہم تمہیں ایک قدم ادھر سے اُدھر نہ ہونے دیں گے۔ یہ ہم سے ناممکن تھا۔ ایک فاسق و فاجر انسان کو اپنا روحانی پیشوا ماننے کیلئے ہمارا ایمان اور عمل صالح تیار نہ تھا۔ لہٰذا ہم نے مرنا قبول کیا۔ مگر اس عاقبت برباد کی بیعت قبول نہ کی۔ کیا ارباب انصاف کی نظر میں ہمارا یہ عمل لایق تحسین نہیں؟ کیا ایمان ایسی چیز ہے۔ کہ جان کے خوف سے اس کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا جائے۔ جب تک انسان کے سینہ میں دل اور دل میں حقیقت شناسی اور خدا پرستی کا جذبہ ہے۔ ہمارا یہ عمل خراج تحسین حاصل کرتا رہے گا۔

آٹھویں دفعہ اس پروگرام کی یہ تھی۔ کہ جب لڑائی سر پر آبنے گی۔ اور جان کے خطرہ میں پڑنے کا یقین ہو جائے گا۔ تو اپنی بیعت لوگوں کی گردن سے ہٹا لیں گے اور اپنے ساتھیوں میں سے ہر شخص کو اجازت دے دیں گے۔ کہ جدھر جس کا دل چاہے چلا جائے۔ اس میں بھی بہت سے راز مضمر تھے۔ اول یہ کہ صرف مرنے کی تمیز ہو جائے۔ دوسرے ہماری وجہ سے کوئی خلوت میں نہ پڑے۔ تیسرے جو مریں۔ وہ شہادت کی حقیقت کو سمجھ کر مریں۔ ہماری وجہ سے نہ مریں۔ چوتھے دھوکہ کی صورت نہ رہے۔ پانچویں جو مال و زر کی طمع یا فتح کی امید میں ہمارے ساتھ ہو گئے ہیں۔ اس خبط کو دماغ سے نکال دیں۔ اور سمجھ لیں کہ اس جنگ کا مقصد حصول ملک و دولت نہیں۔ بلکہ رضائے الٰہی کا حاصل کرنا اور حق کو باطل سے جدا کرنا ہے۔ پس جو کوئی ہمارے اس مقصد کا حامی ہو۔ وہ ہمارے ساتھ رہے ورنہ چلا جائے۔ یہ آنے والی نسلوں کیلئے ہمارے خلوص اور صدق نیت کا کھلا ثبوت ہو گا۔ اگر ہم کو دنیا طلبی کی فکر ہوتی۔ تو اپنی جمی جمائی قوت کو منتشر کرنیکی کوشش نہ کرتے۔ ہمارے سنہرے پروگرام کی یہ مخصوص دفعہ حشر تک لوگوں کو یاد رہے گی۔ ہمیں نے اس کو بنایا ہے۔ ہمیں اس کو ختم کر چلے۔ ہمارے بعد ایسا کرنے والا دنیا میں ڈھونڈا نہ ملے گا۔ قدردان جب اس پر غور کریں گے تو کلیجے پھٹ جائیں گے۔

نویں دفعہ اس مقدس پروگرام کی یہ تھی کہ بھوکے پیاسے لڑیں گے۔ مگر دشمن سے رحم کی التجا نہ کریں گے۔ اس کی بے پناہ طاقت سے مرعوب نہ ہوں گے۔ اپنی فطری شجاعت کے جوہر صرف اس لئے دکھائیں گے۔ کہ دشمن یہ نہ سمجھے کہ ہم کچھ نہ تھے۔ ہم بہت کچھ تھے۔ ایک ایک جوان ہماری مختصر جماعت کا ہزاروں سے لڑ سکتا تھا۔ تمہارے ظلم و ستم نے ہمارے مادی اجسام پر کوئی خاص اثر نہ ڈالا۔ اس سے اندازہ کرو۔ کہ ہمارے اندر کس قدر محیر العقول روحانی طاقت کارفرما ہے۔ عام لوگوں کے ایسے موقعوں پر چھکے چھوٹ جاتے ہیں۔ مگر دیکھو ہمارے حواس کیسے ہیں۔ ذرہ برابر ہمارے ارادہ میں لچک پیدا نہیں ہوئی۔ باہمی اعتماد رخصت نہیں ہوا۔ ہم اب بھی وہی ہیں۔ جو سیر و سیراب ہونے کی حالت میں تھے۔ ہمارا روحانی اقتدار ہم سب کو دم بھر میں فنا کر سکتا تھا۔ مگر ہم جینے کے لئے نہیں لڑے۔ بلکہ مرنے کے لئے لڑتے ہیں۔ کیونکہ ہم کو اپنی موت سے بہ نسبت زندگی کے زیادہ فائدہ حاصل کرنا ہے۔ ہم لڑے مگر فتح کے لئے نہیں بلکہ شکست کے لئے۔ کیونکہ ہمیں اپنے مقصد کی کامیابی بہ نسبت فتح کے شکست میں زیادہ نظر آتی ہے۔ ہمارے مرنے کے بعد اس کا تجربہ تمہیں خود ہو جائے گا۔ تمہاری فتح منہ چھپاتی پھرے گی۔ اور ہماری شکست سرخرو بن کر سارے عالم کا چکر لگائے گی۔ دنیا ہماری روحانی طاقت کا اقرار کرے گی۔

ممنون ہے بزم آدمیت تیری
ہر قلب میں جاگزیں ہے عظمت تیری
اے کھا کے شکست فتح پانیوالے
ہر دل پہ ہے آجتک حکومت تیری

رہا۔ کہ جب تک یزید کی بیعت نہ کرو گے۔ ہم تمہیں ایک قدم ادھر سے ادھر نہ ہونے دیں گے۔ یہ ہم سے ناممکن تھا۔ ایک فاسق و فاجر انسان کو اپنا روحانی پیشوا ماننے کے لئے ہمارا ایمان اور عمل ساتھ تیار نہ تھا۔ لہٰذا ہم نے مرنا قبول کیا۔ مگر اس عاقبت برباد کی بیعت قبول نہ کی۔ کیا ارباب انصاف کی نظر میں ہمارا یہ عمل لائق تحسین نہیں؟ کیا ایمان ایسی چیز ہے۔ کہ جان کے خوف سے اس کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا جائے۔ جب تک انسان کے سینہ میں دل اور دل میں حقیقت شناسی اور خدا پرستی کا جذبہ ہے۔ ہمارا یہ عمل خراج تحسین حاصل کرتا رہے گا۔

آٹھویں دفعہ اس پروگرام کی یہ تھی۔ کہ جب لڑائی سر پہ آبنے گی۔ اور جان کے خطرہ میں پڑنے کا یقین ہو جائے گا۔ تو اپنی بیعت لوگوں کی گردن سے ہٹا لیں گے اور اپنے ساتھیوں میں سے ہر شخص کو اجازت دے دیں گے۔ کہ جدھر جس کا دل چاہے چلا جائے۔ اس میں بھی بہت سے راز مضمر تھے۔ اول یہ کہ کھرے کھوٹے کی تمیز ہو جائے۔ دوسرے ہماری وجہ سے کوئی [illegible] نہ پڑے۔ تیسرے جو مریں۔ وہ شہادت کی حقیقت کو سمجھ کر مریں۔ ہماری وجہ سے نہ مریں۔ چوتھے دھوکہ کی صورت نہ رہے۔ پانچویں جو مال و زر کی طمع یا فتح کی امید میں ہمارے ساتھ ہو گئے ہیں۔ اس تمنا کو دماغ سے نکال دیں۔ اور سمجھ لیں کہ اس جنگ کا مقصد حصول ملک و دولت نہیں۔ بلکہ رضائے الٰہی کا حاصل کرنا اور حق کو باطل سے جدا کرنا ہے۔ پس جو کوئی ہمارے اس مقصد کا حامی ہو۔ وہ ہمارے ساتھ رہے ورنہ علیحدہ ہو جائے۔ یہ آنے والی نسلوں کیلئے ہمارے خلوص اور صدق نیت کا کھلا ثبوت ہوگا۔ اگر ہم کو دنیا طلبی کی فکر ہوتی۔ تو اپنی جمی جمائی قوت کو منتشر کرنیکی کوشش نہ کرتے۔ ہمارے سنہرے پروگرام کی یہ مخصوص دفعہ حشر تک لوگوں کو یاد رہے گی۔ ہمیں نے اس کو بنایا ہے۔ ہمیں اس کو ختم کر چلے۔ ہمارے بعد ایسا کرنے والا دنیا میں ڈھونڈا نہ ملے گا۔ قدردان جب اس پر غور کریں گے تو کلیجے پھٹ جائیں گے۔

نویں دفعہ اس مقدس پروگرام کی یہ تھی کہ بھوکے پیاسے لڑیں گے۔ مگر دشمن سے رحم کی التجا نہ کریں گے۔ اس کی بے پناہ طاقت سے مرعوب نہ ہوں گے۔ اپنی فطری شجاعت کے جوہر صرف اس لئے دکھائیں گے۔ کہ دشمن یہ نہ سمجھے کہ ہم کچھ نہ تھے۔ ہم بہت کچھ تھے۔ ایک ایک جوان ہماری مختصر جماعت کا ہزاروں سے لڑ سکتا تھا۔ تمہارے ظلم و تشدد نے ہمارے مادی اجسام پر کوئی خاص اثر نہ ڈالا۔ اس سے اندازہ کرو۔ کہ ہمارے اندر کس قدر محیر العقول روحانی طاقت کارفرما ہے۔ عام لوگوں کے ایسے موقعوں پر چھکے چھوٹ جاتے ہیں۔ مگر دیکھو ہمارے حواس کیسے ہیں۔ ذرہ برابر ہمارے ارادہ میں لچک پیدا نہیں ہوئی۔ باہمی اعتماد رخصت نہیں ہوا۔ ہم اب بھی وہی ہیں۔ جو سیر و سیراب ہونے کی حالت میں تھے۔ ہمارا روحانی اقتدار ہم سب کو دم بھر میں فنا کر سکتا تھا۔ مگر ہم جینے کے لئے نہیں لڑے۔ بلکہ مرنے کے لئے لڑتے ہیں۔ کیونکہ ہم کو اپنی موت سے بہ نسبت زندگی کے زیادہ فائدہ حاصل کرنا ہے۔ ہم لڑے مگر فتح کے لئے نہیں بلکہ شکست کے لئے۔ کیونکہ ہمیں اپنے مقصد کی کامیابی بہ نسبت فتح کے شکست میں زیادہ نظر آتی ہے۔ ہمارے مرنے کے بعد اس کا تجربہ تمہیں خود ہو جائے گا۔ تمہاری فتح منہ چھپاتی پھرے گی۔ اور ہماری شکست سرخرو بن کر سارے عالم کا چکر لگائے گی۔ دنیا ہماری روحانی طاقت کا اقرار کرے گی۔

ممنون ہے بزم آدمیت تیری
ہر قلب میں جاگزیں ہے عظمت تیری
اے کھا کے شکست فتح پانیوالے
ہر دل پہ ہے آجتک حکومت تیری

ہمدردِ ملت عالیجناب نواب زادہ مظفر علیخاں صاحب ایم ایل اے
صدر پنجاب شیعہ پولیٹکل کانفرنس

جناب اعجاز حسین صاحب ناظم اعلیٰ
ادارہ ناشر العلوم لاہور

جناب حکیم سید نوازش علی شاہ صاحب نائب صدر
پنجاب شیعہ پولیٹیکل کانفرنس

جناب حکیم شیخ عبدالقادر صاحب
صدر انجمن امامیہ قصور

جناب سید ہادی علی شاہ صاحب بخاری
پروپیگنڈہ سیکرٹری پنجاب شیعہ پولیٹیکل کانفرنس

اور تمہاری مادی کمزوری اور حق فروشی پر جبیں بجبیں ہوگی۔

دسویں دفعہ اس پروگرام کی یہ تھی۔ کہ مرتے دم تک رشتہ اتحاد واخلاص کو قائم و برقرار رکھیں گے کسی امر میں اختلافی صورت پیدا نہ ہوگی۔ ایک دوسرے پر جان قربان کرنے کو تیار رہے گا۔ تمام فوج اپنے سردار کی مطیع فرمان رہے گی۔ زبان سے نہیں دل سے۔ ہمیں دنیا کو یہ دکھانا ہے۔ کہ اگر سچی محبت ہو تو ایک دو نہیں۔ بہتر قالب ایک جان بن کر رہ سکتے ہیں۔

گیارھویں دفعہ یہ تھی۔ کہ دنیا سے مظلوم بن کر جاؤ ظالم بن کر نہ جاؤ۔ کیونکہ مظلومیت سے انسانی فطرت کو ہمدردی ہے محبت ہے اخلاص ہے۔ جب تک ہم سے لوگوں کو دلی محبت نہ ہوگی ہمارے عمل کا اثر ان کے قلوب پر نہ ہوگا۔ ظالم کا ظلم چند روز بعد ختم ہو جائیگا۔ اور ہماری مظلومیت کا سکہ انسانی دنیا میں ابدالآباد تک رہے گا۔

بارھویں دفعہ یہ تھی کہ جو کام ہوگا۔ قربۃً الی اللہ ہوگا۔ خودغرضی اور نفس پروری کا شائبہ بھی اس کے اندر نہ پایا جائے گا تاکہ جزا پوری پوری ملے۔ اور اس کے متعلق کوئی دُگدا دل میں باقی نہ رہے۔ ہماری اس زندگی سے آئندہ نسلیں سبق حاصل کریں گی۔ اور ریاکاری اور خودغرضی سے اپنی نیکی کو ضائع ہونے سے بچا لیں گی۔

تیرھویں دفعہ یہ تھی۔ کہ اپنی عورتوں کو اسیر کرانا ہوگا تاکہ ان کے ذریعہ سے دشمن کے مظالم اور ہماری مظلومیت و بیکسی کا شہر بشہر پروپیگنڈا ہو۔ اور ہماری شہادت کے حقیقی اسباب تلاش کرنے کی ضرورت لوگوں کو محسوس ہو۔ ان کے بھولے بھالے چہرے۔ پریشان حالتیں۔ بیکسی کی تصویریں۔ اسیری کی کیفیتیں خود زبان حال سے ہمارے دشمنوں کی قساوت قلبی کی داستان بیان کریں گی۔ اور ہمکو اپنے پروگرام کی تکمیل میں ان سے بہت بڑی مدد ملے گی۔ یہ مظلومیت و بیکسی کا ایک ایسا موثر مرقع ہوگا۔ کہ چشم روزگار نے اس سے پہلے نہ دیکھا ہوگا۔ اور نہ مابعد زمانے والے دیکھیں گے۔ لوگوں کو اپنے سینوں میں دل سنبھالنے مشکل پڑ جائیں گے اور آنکھیں انتہائی ضبط کرنے پر بھی خون کے آنسو بہائے نہ رہیں گی۔ مختصراً یہ تھا وہ عملی پروگرام جس کو لے کر حسینؑ کربلا میں آئے تھے۔ خدا کے فضل سے اس کی ایک ایک دفعہ پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ اور عمل من صبیح الحیات پورا ہو کر رہا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انسانیت قیامت تک کیلئے

خواجہ تصور علی حیدر

ایک کے بعد دوسرا دن آتا ہے اور گزر جاتا ہے بہت کم لوگ ایسے ہیں جو وقت سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور جنہیں اپنے وقت کے ضائع ہونے کا احساس ہوتا ہے۔ جب کبھی کہیں بے تکلف احباب کا مجمع ہوتا ہے۔ اور وہاں ایسی باتیں ہوتی ہیں۔ جو کسی کیلئے فائدہ مند نہیں ہو سکتیں۔ اور اس جگہ سے کوئی شخص اپنی مصروفیت کا اظہار کر کے دوستوں سے رخصت ہونا چاہتا ہے۔ تو اکثر کہا جاتا ہے۔ کہ "اگر ایک آدھ گھنٹے یہاں بیٹھ جاؤ گے تو قیامت تھوڑا ہی آجائے گی۔ دنیا کے کام تو ہوتے ہی رہتے ہیں"۔ لیکن کہنے والے یہ محسوس نہیں کرتے کہ انسانی زندگی کا ایک ایک گھنٹہ بلکہ ایک ایک لمحہ وہ قیمت رکھتا ہے جس کو دنیا میں کوئی ادا نہیں کر سکتا۔ اور پھر جس طرح قطرہ قطرہ مل کر دریا بن جاتا ہے۔ اسی طرح ایک ایک لمحہ مل کر گھنٹے ہو جاتے ہیں۔ اور گھنٹے دنوں میں اور دن برسوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اگر ایک عام انسان کے ضائع شدہ وقت کا حساب لگایا جائے۔ (ضائع شدہ وقت سے مراد وہ وقت ہے۔ جو لہو و لعب یا بے عملی کی نظر ہوا ہو) تو وہ اس وقت سے بہت زیادہ ہوگا۔ جس کو اس نے جائز طور پر صرف کیا وقت کو ضائع کرنے سے انسان دنیوی دوڑ میں تو پیچھے رہ جاتا ہی ہے اسے وہ جاہ و منصب اور مال و دولت میسر نہیں ہو سکتے۔ جو ایک وہ شخص حاصل کرتا ہے۔ جو اپنے وقت کا صحیح استعمال کرتا ہے۔ لیکن وہ مذہبی نقطہ نظر سے بھی اچھا نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ قابل مذمت ہے۔ یہ اس لئے کہ خداوند تعالیٰ نے زندگی کو انسان کے لئے عبادت کا عرصہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں ارشاد ہوتا ہے "وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون"۔ یعنی میں نے (خدا نے) انسانوں اور جنوں کو صرف عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ عبادت کیا ہے؟ یہ اپنی جگہ پر ایک مستقل مضمون ہے۔ جس پر مفصل بحث کرنے کا یہ موقع نہیں۔ کیا صرف روزہ۔ نماز اور دوسرے اصول دین عبادت ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔ اگر ایسا ہوتا۔ تو انسان کو ہر وقت انہیں میں مصروف رہنے کا حکم دیا جاتا۔ نہیں۔ بلکہ انسان کا ہر فعل عبادت ہو سکتا ہے۔ اس کا اٹھنا۔ بیٹھنا۔ کھانا پینا غرضیکہ اس کا ہر فعل عبادت ہو سکتا ہے بشرطیکہ وہ قدرت کے قائم کردہ اصولوں کے ماتحت اپنی زندگی بسر کرے۔ وہ اصول ہمیں کیا بتاتے ہیں؟ وہ اصول ہمیں چند حقوق کی ادائیگی سکھاتے ہیں۔ ان حقوق کو مختصراً تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱:۔ حقوق اللہ

۲:۔ حقوق العباد

۳:۔ حقوق النفس

اگر کوئی شخص ان حقوق کی ادائیگی کرسکے۔ تو یقینی طور پر اس کا ہر فعل عبادت ہوگا۔ اور اس کی زندگی دنیوی اور اخروی دونوں اعتبار سے کامیاب زندگی ہوگی۔

بہت کم ایسے خوش قسمت لوگ ہیں۔ جو ان حقوق کو پوری طرح یا بڑی حد تک ادا کرتے ہیں۔ یوں تو ان حقوق کی ادائیگی خدا کے بھیجے ہوئے آخری رسول حضرت محمد صلعم

سے زیادہ کسی اور نے نہ کی ہوگی۔ اور ان کی تمام زندگی ہمارے لئے مشعلِ ہدایت ہے۔ اور ان کے اعمال کی تقلید کرکے نہ صرف اُخروی بہتری حاصل ہوتی ہے۔ بلکہ دنیوی چین و آرام بھی مل سکتا ہے۔ لیکن آیئے دیکھئے ان کے پیارے نواسے حسینؑ نے ایک دن میں ان حقوق کی ادائیگی کس طرح کی —— وہی ایک دن جو اسلام یا دوسرے لفظوں میں انسانیت کی تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتا وہی ایک دن حسین کی یاد نہ صرف مسلمان بلکہ ہر مذہب و ملت کے وہ اشخاص جن کے نزدیک حق و صداقت۔ عدل و انصاف۔ صبر و شکر۔ اخوت و مساوات۔ رواداری اور ضبطِ نفس۔ غربا پروری اور مہمان نوازی کی اچھی خصلتیں کوئی اہمیت رکھتے ہیں۔ مناتے ہیں۔ اور امام حسینؑ کی یاد تازہ کرنے میں ان کے نانا کے کلمہ پڑھنے والوں سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔

وہ رات ختم ہوئی۔ جس کی مہلت امام حسینؑ نے یزیدی فوج کے سردار عمر سعد سے لی تھی۔ یہ مہلت کیوں لی گئی تھی؟ یزیدی فوج کے بہت سے سرداروں کا خیال تھا۔ کہ حسینؑ اس بات پر پوری طرح غور کرنا چاہتے ہیں۔ کہ انہیں یزید کی بیعت کر لینی چاہیئے یا نہیں۔ ان کا گمان تھا۔ کہ صبح کو حسینؑ یزید کی بیعت کرکے اپنی اور اپنے عزیزوں اور دوستوں کی جانیں بچا لیں گے۔ اور اس طرح یزید کے لطف و کرم کے مستحق بن جائیں گے۔ وہ سمجھے تھے۔ کہ لاکھوں فوجی گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز حسینؑ کے ضمیر کی... صدائے صداقت پر غالب آجائے گی۔ اور حسینؑ سچائی کی راہِ راست سے ہٹ جائیں گے۔ سونے اور چاندی کے طبق حق کے شیدائی کو باطل کی طرف لے آئیں گے۔ تیر و زر کی پیش کش اور بادشاہ وقت کی نظرِ کرم اور مہربانی کا ذرہ حسینؑ کے قدموں کو ڈگمگا دے گا۔ اور ان کا استقلال اور ثبات قدم قائم نہ رہ سکے گا۔ انہوں نے اور ان کے آقائے نعمت یزید نے مادیت کی فضا میں پرورش پائی تھی۔ روحانیت کے لئے ان کی زندگی میں کوئی جگہ نہ تھی۔ اُن کے نزدیک انسانیت کا معیار اتنا گرا ہوا تھا کہ وہ چند سکوں یا چند عہدے مل جانے کے وعدوں کے سامنے جھک جاتے۔ انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ اگر دنیا میں اُن جیسے اور ان کے سردار یزید جیسے گرے ہوئے انسان موجود تھے۔ تو ان کے مقابلہ میں حسینؑ جیسے انسان بھی موجود تھے جنہیں انسانیت کا وقار رکھنا دنیا کی سب چیزوں سے زیادہ عزیز تھا اور جنہوں نے انسانیت کا پرچم لہرانے کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ اسی لئے حضرت جوش ملیح آبادی نے کہا ہے ؎

کیا صرف مسلماں کے پیارے ہیں حسینؑ
چرخِ نوعِ بشر کے تارے ہیں حسینؑ
انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ

ہم ہوں کہ نہ ہوں پر اک زمانہ ہوگا
ہر لب پہ حسینؑ کا ترانہ ہوگا
تہذیب کی روشنی بڑھے گی جتنی
مشہور اتنا ہی یہ افسانہ ہوگا

رات کی مہلت اس لئے نہ لی گئی تھی۔ کہ حسینؑ یزید کی اطاعت قبول کرنے کے متعلق صلاح و مشورہ یا غور و خوض کریں۔ بلکہ یہ رات اس لئے مانگی گئی تھی۔ کہ اوّل تو خدائے بزرگ و برتر کی عبادت میں جتنا وقت گزارا جا سکے۔ گزارا جائے۔ چنانچہ اس رات کو حسینؑ کیمپ میں تسبیح و تقدیس کا یہ عالم تھا کہ خدا کی یاد میں مصروف بندوں کی آوازیں مل کر ایسی معلوم ہوتی تھیں۔ جیسی شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی آواز ہوتی ہے۔ حسینؑ اور ان کے ساتھی اس رات میں یادِ خدا میں مشغول رہنا چاہتے تھے۔ دوسرے یہ کہ حسینؑ اپنے ساتھیوں کو اس خطرے سے پوری طرح آگاہ کر دینا چاہتے تھے۔ جو

ان سب کو گھیرے ہوئے تھا۔ وہ اپنے دوستوں اور عزیزوں
کو اس بات کا موقعہ دینا چاہتے تھے۔ کہ اگر وہ چاہیں۔ تو
کربلا کے خونیں میدان سے بچکر کہیں اور چلے جائیں۔
ساتھ ہی ساتھ حسینؑ اُن پہ یہ بھی ظاہر کر دینا چاہتے تھے
کہ ان کے چلے جانے سے حسینؑ ان سے ناراض نہ ہوں گے
اور نہ ان کے مراتب میں کمی آئے گی۔ لیکن حسینؑ نے ایسے
ساتھی پائے تھے۔ جو اپنے سردار کے نقش قدم پہ چل کر
اپنی سب وہ چیزیں جنہیں دنیا میں وہ عزیز رکھتے تھے۔
انسانیت کی دیوتی کی قربان گاہ پہ بھینٹ چڑھانے پر
تلے ہوئے تھے۔ چنانچہ
انہوں نے ایسا ہی کیا
اور اپنے سالار کا ساتھ نہ
چھوڑا۔

بہرصورت وہ رات جسکو
عام طور پہ شب عاشور کہا جاتا
ہے ختم ہوئی۔ صبح کی اذان کا
وقت ہوا۔ حسینؑ حق بندگی ادا کرنے
میں اپنی مثال بس آپ ہی تھے۔ وہ
اس باپ کے بیٹے تھے۔ جس نے خانۂ
خدا میں حالت نماز میں زخمی ہو کر شہادت
کا بلند رتبہ حاصل کیا۔ وہ اس نانا کے نواسے تھے۔ جس پہ
حالت نماز میں گندگی اور کوڑا کرکٹ پھینکا جاتا تھا۔ مگر
اس نے خدا کی یاد کو کبھی فراموش نہ کیا۔ ایسے باپ کے
بیٹے اور ایسے نانا کے نواسے حسینؑ نے ہمشکل پیغمبر علی اکبر کو
حکم دیا۔ کہ بیٹا اذان دو۔ حضرت علی اکبر نے لحن داؤدی
میں اذان دی۔ اس اذان کا مقصد نہ صرف یہ تھا۔ کہ حسینؑ
اور اُن کے ساتھی اذان کے بعد نماز کے فریضہ کو ادا کر
سکیں۔ بلکہ اس سے یہ بھی ظاہر کر دینا مقصود تھا۔ کہ اگر
فوج شام کے کسی سپاہی کو حسینؑ کے مذہب کے متعلق

انصار حسینؑ کا ولولۂ قربانی

تیر آنے لگے جانے لگے مرنے والے
گھس گئے موت کی آنکھوں میں ڈرنیوالے
سر جو نیزوں پہ چڑھے بولے گزرنیوالے
یوں اُبھرتے ہیں زبونی سے اُبھرنیوالے
لاکھ طوفان اُٹھایا کریں بے جینے والے
ڈوب سکتے ہیں محمدؐ کے سفینے والے؟

غلط فہمی ہو تو اسے معلوم ہو جائے۔ کہ حسینؑ اور اس کے ساتھی
مسلمان ہیں۔ علاوہ یہ بات معلوم ہونے کے بعد یقینی تھا۔ کہ
اگر وہ شخص حق پسند ہوتا۔ تو حسینؑ کے متعلق اور تحقیق کرتا۔
اور پھر یقینی طور پر اسے معلوم ہو جاتا۔ کہ حسینؑ خدا کے بھیجے
ہوئے آخری رسولؐ کے نواسے اور ان کے سچے جانشین تھے
اور اس طرح سے اگر وہ چاہتا۔ تو اس برائی کے مرتکب ہو
جانے سے بچ جاتا۔ جس کا لاعلمیت کی حالت میں اس سے
سرزد ہونا یقینی تھا۔ غرضیکہ حسینؑ کا دن کا پروگرام خدا کی
عبادت سے شروع ہوا۔ صبح کی نماز ادا کی گئی۔ اور اس طرح
نہ صرف حقوق اللہ میں سے ایک نہایت اہم
حق کی ادائیگی کی گئی۔ بلکہ دنیا والوں کو بتا
دیا گیا۔ کہ حسینؑ اور ان کے ساتھی سچے
مسلمان تھے۔ کہ جو نماز ادا کرتے تھے۔
اور ان کے مقابلے میں وہ لوگ تھے جو
اپنے آپ کو مسلمان کہتے ضرور تھے۔
مگر اذان اور نماز کی آواز کو باجوں
کے شور وغل میں دبانا چاہتے
تھے۔ یہ تھی حسینؑ کی صبح کی نماز
—— ظہر کے وقت تک حسینؑ
کے بہت سے انصار بظاہر
حسینؑ پر لیکن حقیقت میں اسلام اور انسانیت پر اپنی جانیں
قربان کر چکے تھے۔ حسینؑ کے ایک فدائی نے عرض کیا۔ کہ مولا
نماز کا وقت ہے۔ چنانچہ نماز کے لئے صف باندھی گئی۔ دشمنوں
کی طرف سے تیر چلے حسینؑ کے دو جانثار اپنے سردار کے
سامنے سینہ تان کر کھڑے ہو گئے۔ اور انہوں نے تیروں
کے لئے اپنے سینے کو سپر کیا۔ نماز ختم ہوئی۔ اور یہ دونوں
جانباز جان بحق تسلیم ہوئے۔ نماز بھی پڑھ لی گئی۔ اور یزیدی
فوج کے نام نہاد مسلمانوں کی شقاوت بھی دنیا پر ظاہر ہو
گئی۔ کہ انہوں نے نمازیوں پہ بھی تیر چلانے سے احتراز نہ کیا

عصر کی نماز کا وقت ہوا۔ اس وقت حالت یہ تھی۔

نہ لشکر ہے نہ سپاہ ہے نہ کثرت الناس ہے
نہ قاسم ہے نہ علی اکبر ہے نہ عباس ہے

حسینؓ میدان قتال میں یک و تنہا تھے۔ حالت یہ تھی۔ کہ زخموں سے بدن چھلنی ہوا تھا۔ بہت سی جگہوں سے خون کے فوارے نکل رہے تھے۔ جسم مبارک میں بہت سے تیر پیوست تھے۔ حسینؓ ابھی ذوالجناح کی پشت پر تھے۔ نماز کا وقت ہوا۔ گھوڑے سے زمین پر تشریف لائے تیروں کی وجہ سے جسم مبارک زمین پر نہ ٹیک سکتا تھا۔ بلکہ زمین سے کافی اونچا تھا۔ اس عالم میں خدا کے اس برگزیدہ بندے نے نماز میں مشغول ہو کر ہم سب کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے یہ سبق دیدیا۔ کہ خدا کی یاد کو کسی حالت میں فراموش نہ کرنا چاہیئے۔ حقوق اللہ کی ادائیگی ہم پر واجب ہے۔ سکرات ... رہا تھا۔ مگر زبان پر اللہ اللہ تھا۔ یہی نہیں۔ خدا کی ان نعمتوں کا اور ان اعلےٰ مراتب کا جو حسینؓ کو عطا کئے گئے تھے۔ شکریہ ادا کیا جا رہا تھا۔ اور اس طرح ہمیں تعلیم دی جا رہی تھی۔ کہ ہر حال میں خدا کی دی ہوئی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنا بندہ پر فرض ہے۔ اس طرح سے اس شہید اعظم نے سجدہ میں اپنا سر کٹا کر یہ بتا دیا۔ کہ حقوق اللہ کے ادا کرنے میں جان کس طرح دی جاتی ہے حسینؓ نے کربلا کی لڑائی خدا کے لئے لڑی تھی۔ یزید نے اسلامی اصول پس پشت ڈال دیئے تھے۔ اور اس طرح سے رسولؐ کی رسالت اور خدا کی الوہیت کے ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ حسینؓ نے اسلام کے لئے لڑائی لڑی۔ اپنی جان دی۔ اپنے دوستوں اور عزیزوں کے خون سے اسلام کی خشک کھیتی کو سینچا۔ اور دنیا میں خدا کا نام قائم کرنے کے باعث ہوئے۔ اسی لئے تو خواجہ اجمیریؒ نے کہا ہے

شاہ ہست حسینؓ بادشاہ ہست حسینؓ
دین است حسینؓ دین پناہ است حسینؓ
سر داد نداد دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لا الہٰ است حسینؓ

حقوق اللہ کے ادا کرنے میں حقوق العباد و حقوق النفس سے ٹکر ہوئی۔ لیکن حسینؓ نے حقوق اللہ کو ہر صورت میں مقدم جانا۔ حقوق النفس اور حقوق العباد کہہ رہے تھے ... کہ یزید کی اطاعت قبول کر ... کے اپنی اور اپنے عزیزوں اور دوستوں کی جان بچائی جائے۔ تین دن کے بھوکے پیاسے ننھے ننھے معصوم بچوں کے منہ میں پانی کے چند قطرے ڈالے جائیں۔ رسول زادیوں کو بے پردگی سے بچایا جائے۔ مگر حقوق اللہ کا تقاضہ تھا۔ کہ حق کی راہ میں عزیز سے عزیز چیز بھی قربان کر دی جائے دوستوں بھائیوں۔ بیٹیوں۔ بھانجوں کو خدا سے زیادہ عزیز نہ سمجھا جائے۔ وہ پکار پکار کر کہہ رہے تھے۔ کہ زینبؑ و کلثومؑ کی اسیری اور بازار در بازار اور دربار در بار تشہیری اور سیدؑ سجاد کی شتربانی میں ہی اسلام کی تقویت کا راز پوشیدہ ہے۔ حسینؓ جیسے جانچنے والے کے لئے چیزوں کی قیمت کا پرکھنا کچھ مشکل نہ تھا۔ وہ اس نتیجہ پر پہنچے۔ کہ خدا کی راہ میں تن من دھن سب کچھ قربان کر دینا یہی عین زندگی ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

لیکن حسینؓ نے حقوق العباد کو بھی اس طرح ادا کیا جیسا غالباً کسی اور سے نہ کیا ہوگا۔ جانہ پانی بند تھا اس لئے

حسینؑ کی اصغرؑ سے گفتگو!

لو مری جان حد منزل ہے سفر ختم ہوا
تم بھی سنبھلو تو کروں فوج سے پانی کا گلہ
کہہ کے یہ شہ نے عروج ایک بلندی پہ کیا
مصحف فاطمہؑ شبیرؑ کے ہاتھوں پہ کھلا
کروٹیں لینے لگا عرش بھی بسمل کی طرح
شہ نے اونچا کیا اصغرؑ کو حمائل کی طرح

حسینؑ یہ چیزیں تو اپنے دوستوں اور عزیزوں کیلئے فراہم نہ کرسکے۔ لیکن اپنی روحانیت اور حسن اخلاق کی وجہ سے اپنے تمام متعلقین کیلئے انتہائی تقویت کا باعث تھے۔ ہاں یہ ضرور ہوا۔ کہ جب علی اکبر ایک مرتبہ کامیاب حملہ کرکے اپنے باپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ کہ بابا! اگر مجھے تھوڑا سا پانی مل جائے۔ تو بہت اچھا ہو۔ گرمی کی شدت کی وجہ سے میرے اسلحۂ جنگ جل رہے ہیں۔ اور میری زبان بالکل خشک ہے بیٹے کا حق تھا۔ کہ باپ بیٹے کیلئے پانی کا انتظام کرے۔ پانی میسّر نہ تھا۔ حسینؑ نے اس حق کو اس طرح ادا کیا۔ کہا۔ بیٹے اپنی زبان میرے منہ میں دو بیٹے نے باپ کے منہ میں زبان دی۔ اور فوراً ہی باہر نکال لی باپ کی زبان بیٹے کی زبان سے بھی زیادہ خشک تھی۔ ممکن ہے ایسا کرنے سے باپ کا مقصد یہ ہو کہ بیٹا باپ کی زیادہ خشک زبان دیکھکر اس بات کا فوراً خیال کرے۔ کہ خدا کی راہ میں ہر قسم کی مصیبتیں جھیل کر ہی انسان خدا کی رضامندی حاصل کرسکتا ہے۔ خواہ خشک زبان کو اپنے لعاب دہن سے تر کرنا مقصود ہو۔ یا خدا کے حق کی طرف متوجہ کرنا۔ (اچھا اولاد کی صحیح تربیت کرنے کا ایک اہم جزو ہے اور تربیتِ اولاد حقوق العباد میں شامل ہے) دونوں طرح سے حسینؑ حقوق العباد ادا کر رہے تھے۔

مہمانوں کی عزت اور خاطر مدارات کرنا بھی حقوق العباد میں شامل ہے۔ حرّ ریاحی اس کا بیٹا اس کا بھائی اور اس کا غلام یزید کی فوج چھوڑ کر حسینؑ کی طرف آئے۔ یہ حرّ وہی شخص تھا جس نے حسینؑ مظلوم کے لشکر کو کربلا کے میدان میں آنے پر مجبور کیا تھا۔ حسینؑ نے اس کے استقبال کے لئے اپنے بھائی حضرت عباس کو بھیجا۔ جب وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو گو وہ مجرموں کی صورت بنا کر آیا تھا لیکن آپ نے بڑھ کر اسے گلے سے لگا لیا۔ اور اس طرح سے ہمیں مہمانوں کی عزت کرنا بتایا۔ کھانا اور پانی میسر نہ تھا۔ یہ حال حر پر بھی ظاہر تھا۔ جو صبح تک یزید کے لشکر میں تھا۔ اس لئے اس پر تین دن کی بھوک اور پیاس کی شدت نہ تھی۔ اور وہ حسینؑ کی سخاوت اور دریا دلی اس وقت دیکھ چکا تھا۔ جب آپ نے اپنے ننھے ننھے بچوں کا خیال نہ کرتے ہوئے اس کے رسالے کے سب سواروں اور جانوروں کو سیراب کیا تھا۔ اس وقت وہ آپ کا دشمن تھا۔ لیکن اب سخی باپ کا سخی بیٹا شرمسار تھا۔ کہ اپنے مہمانوں کے لئے اکل و شرب کا انتظام نہ کرسکا مگر اس کمی کو حسینؑ نے اس طرح پورا کیا۔ کہ جب حر گھائل ہو کر زمین پر گرا۔ تو امام حسینؑ نے اس کے زخمی سر کو اپنے زانوئے مبارک پر رکھا۔ اور اسے یہ سعادت حاصل ہوئی۔ کہ اس کا دم حسینؑ مظلوم کی گود میں نکلا۔

آئے سجادۂ طاعت پہ امام دوجہاں
اسطرف طبل بجا یہاں ہوئی لشکر میں اذاں
وہ نمازی کہ جو ایمان کے تن پاک کی جاں
ایسے قاری کہ زباں جن کی حدیث و قرآں
زاہد ایسے تھے کہ ممتاز تھے ابراروں میں
عابد ایسے تھے کہ سجدے سے کٹے تلواروں میں
(انیس)

حسینؑ کے دوستوں اور عزیزوں نے حقیقت میں اسلام پر مگر بظاہر حسینؑ پر اپنی جانیں نثار کی تھیں۔ حسینؑ نے ان سب کی لاشیں اُٹھا کر اس بات کا اظہار کیا۔ کہ ان کے دل میں اِن شہیدوں کی کتنی عظمت تھی اور احسان کا بدلہ احسان سے کس طرح دیا جاتا ہے لاشیں اٹھانے میں دوستوں اور عزیزوں کی تخصیص کیں امام مظلوم نے حبشی غلام جون کی لاش بھی گنج شہیداں میں خود

لے جا کر دکھی۔

ویسے تو کربلا کی لڑائی جہاں حقوق اللہ ادا کرنے کے لئے لڑی گئی تھی۔ وہاں حقوق العباد ادا کرنا بھی اس کا مقصد تھا اور وہ اس طرح سے کہ خدائی حقوق کہہ رہے تھے کہ دنیا میں خدائی اصولوں کو قائم رکھا جائے۔ اور حقوق العباد کہہ رہے تھے۔ کہ صحیح راہ سے بھٹکے ہوئے لوگوں کو ٹھیک راستے پر لانے کی کوشش کی جائے۔ حسینؑ نے یہ لڑائی لڑ کر حقوق اللہ اور حقوق العباد کو بھی ادا کیا۔ اور اسطرح سے شہادت کے بلند مرتبہ پر فائز ہو کر اور خدا کے خاص بندے بن کر حقوق النفس کو بھی ادا کیا۔ انسان کے اپنے نفس کا سب سے بڑا حق یہ ہے۔ کہ وہ اپنے لئے دین دنیا دونوں میں بڑے سے بڑا مرتبہ حاصل کرے۔ حسینؑ نے شہادت پا کر جو اعلیٰ مراتب پائے۔ وہ دنیا میں کسی اور کو نہ ملے ہوں گے۔

عاشور کے دن اپنے نفس کے اور بہت سے حقوق ادا کرنے سے تو حسینؑ مجبور تھے۔ لیکن انہوں نے ایک حق ادا کرنے کی خاص کوشش کی۔ وہ حق ہے۔ تن پوشی جب حسینؑ میدان جنگ کے لئے تیار ہونے لگے۔ تو جہاں آپ نے رسولؐ کا عمامہ اور قبا اور حضرت علیؑ کی تلوار منگائی وہاں حضرت زینبؑ سے یہ بھی کہا۔ کہ بہن میرا کوئی بوسیدہ پیراہن لا دو۔ بہن نے متعجب ہو کر پوچھا۔ بھیا! اس کی کیا ضرورت ہے؟ حسینؑ نے کہا۔ جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتیں۔ اپنے جسم کو ڈھانپنا اور عریانی سے بچانا ہر انسان کا فرض ہے۔ جب میں شہید ہو جاؤں گا۔ تو اعدا میرا لباس اتار لیں گے۔ بوسیدہ پیراہن اس لئے پہنتا ہوں۔ کہ ممکن ہے کہ اس کے پرانا ہونے کی وجہ سے اسے نہ اتارا جائے۔ اور اس طرح میرا جسم عریانی سے بچ سکے۔

حسینؑ نے عاشور کے دن اور کیا کیا کیا۔ اور اپنے فرائض کو کس طرح انجام دیا۔ اس کی مفصل کیفیت کا بیان اس مختصر مضمون میں ممکن نہیں۔ بس اتنا کہنا کافی ہے کہ صحیح انسانی زندگی کا مرقع دنیا والوں کے سامنے پیش کر دیا۔ اور ہمیں دکھا دیا۔ کہ انسان ایک دن میں تمام حقوق کی ادائیگی سے سبکدوش ہو کر اعلیٰ مراتب حاصل کر سکتا ہے۔ وہی ایک دن جس کے ضائع ہونے کا ہمیں احساس بھی نہیں ہوتا۔ امام حسینؑ کی زندگی ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔ ان کے اسوۂ حسنہ پر عمل کر کے صرف ہم اخروی سرفرازی حاصل کر سکتے ہیں۔ بلکہ ہمیں دنیا میں بھی عزت اور آبرو نصیب ہو سکتی ہے۔ خدا ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین۔ ثم آمین!!

(صفحہ ۵۵ سے آگے)

دنیا سے علیحدہ ہو کر اگر ہم یورپ کے مورخوں کے بیانات دیکھتے ہیں۔ تو ہمیں تعجب ہوتا ہے۔ کہ ہمارے ماتم نے نہ صرف ہمیں ہی افسردہ کیا۔ بلکہ نصرانیوں کی ٹھنڈی فطرت پر بھی ویسا ہی خونی اثر ڈالا ہے۔ ۔۔۔۔ کتابیں شہادت کے بیان سے پر ہیں۔ شیعی اور سنی علماء متفق طور پر اس مظلومانہ شہادت پر آنسو بہاتے ہیں۔ طرفین کے علماء کی کتابیں بہت سے خونی بیان سے بھری ہیں۔ غرض دنیا میں ابھی تک اسلام کا کوئی فریق نہیں جس نے اس بیکسانہ شہادت پر ماتم نہ کیا ہو۔ (آکسفورڈ گزٹ جلد نمبر ۹ مورخہ ۵ اپریل ۱۹۰۱ء)

یزید ابن معاویہ بادشاہ کوفہ و شام بانی معرکۂ کربلا

اگر حسینؑ میرے قبضہ میں آتے تو میں یقیناً در گزر کرتا۔ روضۃ الشہداء میں ہے کہ "مجھے کیا ہوا تھا کہ میں نے حسینؑ کو قتل کیا۔" تاریخ طبری کا بیان ہے "واللہ اگر حسینؑ میرے پاس آتے اور جس بات کیلئے وہ مجھ سے خواستگار ہوتے وہی میں کرتا۔ ان کو ہلاک ہونے سے جس طرح بن پڑتا بچا لیتا۔ اگرچہ اس میں میری اولاد میں کوئی تلف ہو جاتا تو بھی۔"

فتح و شکست

از ارشاد حسین ازہر

غالباً اس میں کسی کو اختلاف نہ ہوگا۔ کہ حکومت دراصل وہ کامیاب حکومت ہے جو دلوں پر ہو نہ کہ اجسام پر۔ جس حکومت کی بنیاد خوف و ہراس، بیم و رجا پر ہو۔ وہ محض فانی اور وقتی حکومت ہے۔ لیکن جس حکمرانی کا سکہ محبت و عزت احترام و تعظیم کی وجہ سے رائج ہو۔ وہ دائمی اور ابدی حقیقی حکومت ہے۔ اجسام لرزہ براندام ہو کر اگر سجدہ میں جھک جائیں۔ تو اس سجدہ سے لوح جبین کو محض ملوث کرنا ہے۔ لیکن اگر سر نیاز تعظیماً اور قلبی خدمات کی بنیاد پر جھک جائے۔ تو ہزار سجدے ایسے رکوع پر قربان کئے جا سکتے ہیں۔ دل پر حکومت کرنا روحانیت سے تعلق رکھتا ہے۔ اور گوشت و استخواں سے تعظیم کرانا محض ظاہری بادشاہت سے متعلق ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ جسم کا بادشاہ دل ہے۔ لہٰذا وہ حکومت جو دلوں پر ہو۔ وہ لامحالہ اجسام پر بھی حکومت ہے۔ اور ہر حالت میں اس دوسری حکومت سے افضل و بہتر ہے۔ جو دل کو نظر انداز کر کے محض جسم و اجسام پر جاری ہو۔ یوں تو عقل انسان کی رسائی کی وجہ سے جانوروں پر بھی حکومت کی جاتی ہے۔ ان پالتو جانوروں سے قطع نظر کرتے ہوئے جن سے روزانہ کام لیا جاتا ہے۔ اور جا بجا بکثرت درست رکھا جاتا ہے۔ درندوں پر بھی سائنس کی ترقیوں کی وجہ سے حکومت کی جاتی ہے۔ ان کو حسب خواہش گزند رسانی کی حد سے دور رکھ۔ اپنا مطیع و منقاد بنایا جا سکتا ہے۔ لیکن روحانیت انسان کی بالیدگی کا فیض یہ ہے کہ نعش پارہ پارہ کی حفاظت شیر نیستاں کرے۔ آپ خود تصور فرما سکتے ہیں۔ کہ حکومت وہ بہتر پایہ ہے۔ تو پھر مقتل کی حکومت اصلی حکومت ہے یا بے دست و پائی بلکہ بیکس بے سر کی حکومت واقعی حکومت ہے۔

اور یہیں سے ظاہر و ثابت ہے کہ فتح اس کی سمجھی جائے۔ جو شادیانے بجاتا ہوا اسراء کا قافلہ دیار بدیار تشہیر کر رہا ہے یا اس کی جس کا بے سر بریدہ جسم اپنی برہنگی کی حالت میں مظلومیت کی داستان کربلا کے میدان میں کہہ رہا ہے اور پھر بھی اپنی شاہنشاہیت کا ثبوت دے رہا ہے۔ خوف سے کانپنے والے اجسام پر حکومت نہیں۔ بلکہ ڈکار کر اجسام میں لرزہ ڈال دینے والے شیر ژیان کے قلب و جسم پر حکومت اپنی شہادت کی وجہ سے ہے۔ اس کے غم میں شجر و حجر شریک۔ وحوش و طیور اس کے غمگسار آب فرات اچھلے۔ شفق نکلے۔ خون برسے۔ مدینہ میں خاک کربلا خون بن جائے۔ کون ذی عقل کہہ سکتا ہے۔ کہ یہ کامیابی کامیابی نہیں۔ ذی شعور اور غیر ذی شعور۔ ہم جنس و غیر جنس ذی روح و بے روح ہر ایک نے مظلوم نینوا کا ماتم کیا۔ اور غیر ارادی طور پر دل سے مجبور ہو کر ماتم کیا۔ دشمن کے گھر میں تلاطم پیدا ہو گیا۔ جان دینے کے لئے دشمن کے کیمپ کو چھوڑ کر حر آیا اور شہدائے کربلا کا ماتم کرنے والی زوجۂ حر خیام دشمن میں موجود ہو گئی۔ خود یزید کے گھر میں زوجۂ یزید سوگوار حسینؑ بن گئی۔ اور مقتول کربلا کے سوگ کا سلسلہ آج تک اقطاع عالم میں جاری ہے۔ حالانکہ تازیانوں اور نوک خنجر و سناں سے حکومت کرنے والے مفقود ہو گئے ان کی ظاہری فتح ختم ہو گئی۔ لیکن ظاہری شکست ابدی کامیابی اور دائمی فتح کی شکل میں گوشہ گوشہ میں رونما ہے۔ یزیدیوں کی فتح و شکست میں تبدیل ہو گئی۔ ہزارہا

سال سے وہ محض مستحق لعنت سمجھے جاتے ہیں۔ اور مظلوم ہستیاں تعظیم و تکریم سے یاد کی جا رہی ہیں۔

اس ظاہری شکست نے نہ صرف روحانی فتح حاصل کی۔ بلکہ ظاہری فتح بھی حاصل کی چند ہی سال کے اندر بنی امیہ کی عمارت شاہی کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی۔ اس طرح کہ آج یزیدیوں کی قبروں کا بھی پتہ نہیں ملتا۔ ظاہر بظاہر جسم فانی کو مٹا کر ابدی حیات حاصل ہو گئی۔ اجسام مظلوم کو پارہ پارہ کرنے والوں کے اجسام خود پارہ پارہ ہو گئے۔ اور اگر کلام ربانی کی صداقت میں کسی کو شک نہ ہو۔ تو شہید راہ خدا تو یوں بھی نہیں مرتے۔ وہ تو زندہ ہیں ایسے کہ ان کو غذا بھی ملتی رہتی ہے۔ خواہ کوئی شعور نہ کر سکے۔ لیکن اگر اس کلام کی صداقت سے کسی کو انکار ہو۔ تو اس تاریخی واقعہ کو یاد کیجئے۔ جب ان شہدا میں سے دو اجسام قبر سے نکالے گئے۔ تو باوجود ہزارہا سال گذر جانے کے ان کے اجسام ویسے ہی مہمند تازہ کی طرح نور افشاں تھے۔ لوگوں کو پھر بھی آیۂ قرآنی میں شک تھا۔ سر کی بندھی ہوئی پٹی کھولی گئی۔ اور خون تازہ جوش مارنے لگا۔ جو صرف اسی وقت بند ہوا۔ جب وہی پارچہ پھر زخم پہ باندھ دیا گیا۔

اگر آپ اس فتح میں جو بظاہر شکست تھی شک کرتے ہیں تو عباسیوں کے عہد میں نہر فرات کے رخ بدلنے والے واقعہ پامال چلے۔ شک کے تاریخی واقعہ سے شکوک رفع کیجئے۔ نہر فرات پیاسوں کی قبور کی طرف رخ کرتے ہوئے شرماتی نظر آتی ہے۔ اور ڈھال کی طرف بہنے والی اپنی ازلی فطرت کو بدل رہی ہے۔ ہل چلانے والے جانور تازیانوں سے خوفزدہ نہیں معلوم ہوتے۔ بلکہ ان کے دلوں پہ...

حکومت کرنے والے۔ روحانی بادشاہ جو زیر زمین دفن ہیں۔ ان کی تعظیم ان چوپایوں کو مجبور کر رہی ہے۔ کہ وہ ان قبور کے نقوش کو باقی رکھیں۔ کون کہتا ہے کہ فتح اس کی ہے۔ جو خود کرسی زر جدید پر بیٹھا ہوا لب پا طشت طلا میں سر امام مظلوم رکھے ہوئے بیت سے بے ادبی کر رہا ہے۔ فتح اس کی ہے۔ جو اسی دربار سے احتجاجی آواز بلند کرا دیتا ہے۔ اور اپنے فیوض سے اس کفرستان میں اسلام کا نام بلند کرا کے کلمۂ تشہد زبان پہ جاری کرا دیتا ہے۔ فتح اس کی ہے۔ جس کا سر اپنی قدرتی مجبوریوں کے باوجود طشت سے بلند ہو کر جناب سکینہ کی گود میں جا گرتا ہے۔ کون کہتا ہے کہ فتح اس کی ہے۔ جو سر حسینؑ کو تنور میں قید کر دے فتح اس کی ہے۔ جس کی وجہ سے تنور مرکز انوار بن جائے اور ارواح مقدسہ زیارت کرنے آئیں۔ کون کہتا ہے کہ فتح اس کی ہے۔ جو نیزے شہدا کو [illegible] نیزوں پہ بلند کرے فتح اس کی ہے۔ جو اپنی بے بسی میں بھی اپنا وعدہ پورا کرے۔ اور اپنے دوستدار کو اپنی زیارت کا موقع دے اور انسانی قدرت دینے والے کے باوجود نیزے کا حرکت کرنا ناممکن ہو جائے۔ کون کہتا ہے کہ فتح اس کی ہے جو اہلبیت کو اسیر کرے۔ فتح اس کی ہے۔ جو قید خانہ میں رہ کر زوجۂ خبیثہ کو شہ ہی محل سے باہر بلا کر سوگوار کر دے۔

اور یہ سب اس لئے ہوا۔ کہ وہ شکست ظاہر بباطن فتح ہوئی۔ یہ نیا فلسفۂ انقلاب کربلا کے میدان سے عالم و عالمیان کو نصیب ہوا۔ جس نے شکست و فتح کی فطرت کو بدل دیا جائے۔ یا نئے قالب میں ڈھال دیا۔ شہید کا جسم فانی بھی باقی ہے۔ روح باقی بھی پائندہ و تابندہ ہے حکومت

اسلام کی تقدیر حسینؑ ابن علیؑ
ایمان کی تفسیر حسینؑ ابن علیؑ
ابھری ہوئی رگیں کفر کی اے عابد
اور چلتی ہوئی شمشیر حسینؑ ابن علیؑ

م ظاہری بھی موجود ہے حکومت باطن بھی برقرار ہے۔ غرض یہی وہ مذہب ہے کہ فتح تو فتح ہے ہی اپنی شکست بھی فتح ہے۔ حیات نو زندگی کا نام ہے۔ یقین محکم بھی زندگی اور ابدی زندگی بن گئی ... شمع کشتہ ہوں فنا میں ہے بقا میرے لئے۔ خود پیام زندگی لائی قضا میرے لئے۔ یقیناً کربلا والوں نے ابدی حیات اور اصلی فتح حاصل کی۔

جناب سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام

طبقۂ مخالفین کی نظر میں!

(کتاب "حسینک ورلڈ المعروف بہ حسینی دنیا" کے ایک باب کا مختصر چند اقتباس)

ناچیز نے ایک کافی مدت کے بعد اپنی وہ کتاب جس کو تالیف کر رہا تھا۔ اس کا پہلا حصہ ایک حد تک معہ تو الہجات وغیرہ مکمل کر کے اپنی تالیف کو ختم کر دیا ہے۔ جو انشاء اللہ بعد ختم گرانی کاغذ طبع ہو جانے کا خیال ہے۔ ورنہ اہل دل کو اختیار ہے کہ وہ اپنے صرف سے طبع کرا کے شائع کر دیں۔ میرا ارادہ بجز حسینی تبلیغ کے اور کچھ نہیں ہے۔ چار سو سے زائد مشاہیر اور پھر ان میں بہت زیادہ غیر اقوام و مذہب کے لوگ شامل ہیں۔ ان کی گراں بہا رائیں جمع کی گئی ہیں۔ جو مبلغین اور واعظین کے لئے بہترین چیز ہے۔ مختصر اور بہت ہی مختصر ان رائیوں میں سے صرف وہ فقرات اور جملے درج کرنے پر اکتفا کی گئی ہے۔ جو شخصیت امام پر روشنی ڈال رہے ہیں۔ عدیم الفرصتی اور بھی مانع تھی۔ مگر فرمائش کے خیال سے یہ رائیں قابل ملاحظہ ہیں۔

سید محمد اکبر رضوی بیتاب پوری از قصبہ مغلی ریاست العالیہ محمود آباد

راس الجالوت یہودی طبیب خاص دربار یزیدی

راس الجالوت داخل دربار ہوا۔ تو اس نے یزید کے سامنے ایک سر رکھا ہوا دیکھا اور پوچھا یہ کس کا سر ہے۔ کہا "حسینؑ ابن فاطمہ بنت محمدؐ کا سر ہے" .... راس الجالوت نے کہا۔ اس سے زیادہ مستحق خلافت کون تھا۔ اس لئے کہ وہ تمہارے نبیؐ کی دختر کا فرزند تھا..... کل تمہارا نبیؐ تمہارے سلطنت تھا۔ اور آج تم نے اس کی اولاد کو قتل کر ڈالا۔ تیرا کیا دین ہے۔

یحییٰ ابن الحکم اموی مصاحب دربار یزید

شامیوں سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں "تم سب کی قیامت کے روز رسول اللہؐ سے دوری کی وجہ سے بڑی شرمندگی ہوگی۔"

ولید ابن عتبہ گورنر مدینہ در عہد یزید

مکالمۂ ولید و مروان کے سلسلہ میں .... ولید نے کہا۔ سن اے مروان کسی اور کو ملامت کرو۔ تم مجھے ایسا مشورہ دیتے تھے جس میں میرے دین کی تباہی تھی۔ واللہ حسینؑ کو قتل کر کے ساری دنیا کا مال و ملک جہاں تک آفتاب طلوع و غروب کرتا ہے۔ مجھکو مل جائے۔ تو بھی مجھے منظور نہیں۔ سبحان اللہ حسینؑ کو ایک بیعت نہ کرنے پر میں قتل کر دوں۔ واللہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ جس شخص سے خون حسینؑ کی بازپرس ہو۔ وہ قیامت کے دن خدا کے سامنے خفیف المیزان ٹھہرے گا۔

شمر ذی الجوشن۔ (قاتل و ذابح حسینؑ)

"حالانکہ میں جانتا ہوں کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ رسولؐ اس کی شفاعت بروز قیامت نہ کریں سوائے میرے۔ آج میں آپ (یعنی حسینؑ) کو قتل کرتا ہوں۔ حالانکہ میرا نفس یقین کے ساتھ خوب آگاہ ہے۔ کہ آپ کے والد بزرگوار سب انسانوں سے افضل تھے۔ اور وہ نبی مکرمؐ کے داماد ہیں۔ اگرچہ فوراً اس کے بعد میں نادم ہوں گا۔ اور بے شک اسی کے سبب جہنم میں جاؤں گا۔

بشیر ابن مالک

"اے امیر رکاب سونے چاندی سے بھر دے۔ کیونکہ میں نے اس شخص کو قتل کیا اور مارا ہے۔ جو ماں باپ دونوں سے بہترین عالم تھا۔ اور حسب و نسب میں جس کا مدِ مقابل دنیا میں کوئی اور نہ تھا۔ جو رسولؐ کی گود میں کھیلا تھا۔ سینہ پر چڑھا تھا۔ جن کے لئے رسولؐ روز عید اونٹ بنے تھے۔"

سنان ابن انس نخعی

"میری سپر زر و جواہر سے بھر دے۔ اس لئے کہ میں نے اس کو قتل کیا ہے۔ جو ماں باپ کی طرف سے بہترین خلق تھا۔

خولی اصبحی

"میں اپنی رکاب سونے سے منڈھوں گا۔ میں نے ایک بڑے سوار کو قتل کیا۔ میں نے ایسے شخص کو قتل کیا جس کے ماں باپ تمام آدمیوں سے افضل تھے۔ اور جن کا نسب سب سے بہتر تھا۔

عبداللہ ابن عمار شریک معرکۂ کربلا

"خدا کی قسم میں نے ایسے مجروح اور ٹوٹے ہوئے شخص کو جن کے گویا کل بیٹے اور عزیز و اصحاب بلکہ گھر بھر ذبح کر ڈالے گئے ہوں۔ امام حسینؑ سے پہلے یا بعد یا امام حسینؑ کی مثل مضبوط دل کا اور بے دھڑک نہایت اطمینان اور شجاعت سے فوج مخالف پر حملہ کرنے والا اور کمال استقلال و جرأت سے لڑنے والا نہیں دیکھا۔ ہاں خدا کی قسم نہ تو ان کا مثل و نظیر ان سے پہلے کسی کو پایا اور نہ ان کے بعد۔ یہ حالت تھی۔ کہ پیادوں کی صفیں جب ان پر لوٹ پڑتی تھیں۔ تو بھیڑوں کے گلے میں کسی بھیڑیے کے حملہ کر بیٹھنے سے جس طرح انتشار پیدا ہوتا ہے۔ آپ کے ذرا ادھر سے ادھر مڑ جانے سے ویسی ہی بھاگڑ آپ کے داہنے اور بائیں کی صفوں میں پڑ جاتی تھی۔

حمید ابن مسلم شریک معرکۂ کربلا "یہ سُن کر حسینؑ اس طرح جھپٹ [illegible] ناک کی طرح آپ نے حملہ کیا۔"

عمرو بن عکرمہ

جس روز حسینؑ قتل ہوتے ہیں۔ اسی دن صبح کو مدینہ میں یہ آواز آئی۔ کہ حسینؑ کے قاتلو تم کو عذاب و رسوائی مبارک۔ تمام اہل آسمان ملائک و انبیاء تم پر دعائے بد کرتے ہیں تم پر داؤدؑ۔ موسیٰؑ۔ عیسیٰؑ نے لعنت بھیجی ہے۔

عمر سعد سردار فوج یزید در معرکۂ کربلا

فوج سے مخاطب ہو کر عمر سعد نے کہا۔ کہ وائے ہو تم پر تم نہیں جانتے کہ تم کس سے جنگ کر رہے ہو۔ یہ انزع البطین غالب کل غالب علی ابن ابیطالب کا فرزند ہے۔

حمزہ ابن مغیرہ بن شعبہ !

جو عمر ابن سعد سردار فوج یزید کا بھانجہ تھا۔ کہتا ہے تماموں خدا کے واسطے حسینؑ سے مقابلہ کرنے کا قصد نہ کرنا۔ اس میں اپنے خدا کی معصیت بھی ہے اور قطع رحم بھی۔ واللہ اگر روئے زمین کی سلطنت اور تمام مال دنیا سے تم محروم ہو جاؤ۔ تو اس سے بہتر ہے کہ خدا کے سامنے حسینؑ کے خون میں آلودہ ہو کر تم کو جانا پڑے۔ ابن سعد نے کہا۔ انشاء اللہ یہی کروں گا۔

مرزا حیرت دہلوی منکر شہادت کا حیرت انگیز بیان

"تمام دنیا کی قوم میں صرف مسلمانوں کی قوم میں حضرت حسینؑ کی شہادت ہی ایک ایسا واقعہ ہے۔ کہ صدیوں سے جس کا ماتم ہو رہا ہے۔ اور مسلمانوں کا ہر گروہ کم و بیش اس مظلومانہ شہادت پر ہر سال ماتم کرتا ہے ...... تمام قومی مستقل رسمیں ایک عالم سے بسر ہو رہی ہیں۔ مگر وہ اثر اور خونی اثر جو حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا اسلامی دنیا پر ہوا۔ آج تک کسی قوم پر اس کے سوا کا نہیں پڑا۔ یہ ایک راز ہے۔ جس کی تہہ تک پہنچنا محال عقلی ہے۔ یہ ایک ایسا بھید ہے۔ جو اب تک نہیں کھلا اسلامی

(باقی صفحہ ۵۱ پہ)

پیاسی فوج کے غلام سپاہی

مولانا سید محمد رضی صاحب لکھنوی

یوروپین قوموں کا پرانا اعتراض ہے کہ اسلام نے دنیا میں غلامی کی ترویج کی۔ اور اُس کے مٹانے کی کبھی اسکی طرف سے کوشش نہیں کی گئی۔ میں نے اس موضوع پر اس سے پہلے بھی لکھا ہے۔ لیکن اس وقت میرے سامنے حسینی لشکر کے کچھ غلام ہیں۔ جن کی مقدس اسلامی زندگی، وفا اور خودداری اس اعتراض کا اتنا مکمل و عملی جواب ہو سکتی ہے۔ جس کے بعد پھر کسی مزید جواب کی ضرورت باقی نہیں رہتی اگر کربلا کی خونیں تاریخ میں غلاموں کے زرّیں کارناموں اور خود اُن کے ساتھ خاندان نبوّت کے اسلامی مساویانہ برتاؤ کو بغور دیکھا جائے۔ تو اس سے نہ صرف اس کا ثبوت ملے گا۔ کہ اسلام نے غلاموں کو کوئی پست درجہ نہیں دیا۔ بلکہ اس کی عملی مثالیں بھی پائی جائینگی کہ اسلامی تعلیم کی بنیاد کسی طبقاتی اختلاف پر نہیں ہے۔ اوس کی قربانگاہ عمل میں شاہ و گدا، غلام و آقا۔ رئیس و غریب سب ایک ہی نصرت دیکھے جاتے ہیں۔ اگر ون میں کسی طرح امتیاز کی حدود قائم کئے جا سکتے ہیں۔ تو صرف قربانی کی نوعیت اور عملی جذبات سے۔

اسلام نے سرمایہ داری و نسبی شرافت کے مقابلہ میں پست اقوام اور مزدور طبقہ کو بھی زندگی کے مساویانہ حقوق دیئے ہیں۔ اور اون کو ہندوؤں میں اچھوتوں کی طرح ابدی ذلت کے سپرد نہیں کیا۔

حسینؑ چھوٹے سے لشکر کے بہتر بہادروں میں چودہ صرف غلام تھے۔ جنہوں نے ہاشمی بہادروں اور فاطمہ زہراؑ کے گود کے پالوں کے دوش بدوش باطل کے خلاف جنگ کی اور قربانگاہ فرات پر اپنا مقدس خون بہا کر آج سارے دنیا سے انسانیت کو اپنا غلام بنا لیا۔

یہ کبھی غلام تھے مگر اب تو ان کے روضوں کی سنہری و روپہلی ضریحوں کے سامنے بڑے بڑے کجکلاہ اپنی گردنیں جھکاتے ہیں۔ اور ان کی چوکھٹوں کو بوسہ دینا اپنی نجات کا باعث خیال کرتے ہیں۔ ان پر خدا کی ابدی رحمت اور فرشتوں کے نورانی پروں کا سایہ ہے۔

ان کی آرامگاہ بھی اُسی جگہ پہ ہے۔ جہاں اون کا تاجدار ان کی تمناؤں کا مالک انسانیت کا ابدی خراج لئے ہوئے ان کے پہلو میں محو خواب ہے۔

آپ مسلمان جسطرح نواسہ رسولؐ کی ضریح کو بوسہ دینا اپنا ایک انسانی فریضہ سمجھتے ہیں۔ اُسی طرح ان غلاموں کی بارگاہ میں حاضر ہونا بھی ضروری جانتے ہیں۔ اور اس وقت تک اپنی زیارت کو ناقص خیال کرتے ہیں۔ جب تک ان کی بارگاہ میں بھی اپنی پاک عقیدت کے پھول نہ چڑھا دیں۔ حسینؑ کا سر جھکنے والا کہیں بھی ہو جب اپنے شاہزادے پر سلام کہتا ہے۔ تو "وعلی المستشہدین معک" کہکر اپنے سلام میں ان غریب الوطن غلاموں کو بھی شامل کرنا اپنا ایمانی فرض سمجھتا ہے۔ اور کیا اس سے بھی زیادہ انسانی عظمت عملی برتری کا کوئی تصور ہو سکتا ہے۔ کہ فاطمہ زہراؑ کی تمناؤں کی آخری کرن، محمدی حکومت کا بارھواں تاجدار خضرا کی راجدھانی کا مالک ان غلاموں پر بھی اپنے ماں باپ کو فدا کرنے کے لئے تیار ہے اور فرماتا ہے کہ "بابی انتم وامی طبتم وطابت الارض التی فیھا دفنتم" اے حسینؑ کے ساتھ مرنے والو! تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔ تم بھی پاک ہوئے اور جس زمین میں تم دفن ہو گئے وہ بھی ہمیشہ کیلئے پاک ہو گئی

(باقی صفحہ ۵۸ پر)

حسینی مظلومیت کا اثر

مولانا سید محمد محسن صاحب لکھنوی

دنیا لاکھ مصائب کے اجھاڑ میں ہو۔ ہزار تکلیفوں میں مبتلا ہو۔ مگر ہلال ماہ محرم جو ہر سال کسی غمزدہ کی یاد تازہ کرنے کے لئے اُفق پر نمودار ہوتا ہے۔ تو تمام تکالیف و آلام بطرف ہو جاتے ہیں۔ دنیاء اسلام نہیں۔ بلکہ ہر قوم کے حلقہائے چشم آنسوؤں سے تر نظر آتے ہیں۔ عالم کے ہر ہر گوشہ سے کانوں میں ماتم کی دردناک صدا سنائی دیتی ہے۔ اب میں سوال کروں گا۔ کہ آخر یہ کون ایسا مصیبت زدہ انسان تھا۔ کہ دنیا اس کی مصیبت پر ہمیشہ اشک خون بہاتی ہے۔

آیئے اس کی تفتیش کے لئے سرزمین کربلا چلیں۔ وہاں پہنچکر یہ معلوم ہو جائے گا۔ کہ یہ کون غریب الوطن ہے۔ کہ جس نے تمام دنیا کے قلوب کو ہلا دیا ہے۔ اس سرزمین پر پہنچنے کے بعد یہ پتہ چلتا ہے۔ کہ یہاں حقیقتاً کچھ ایسی قبریں ہیں۔ جن پر مظلومیت برس رہی ہے۔ کہیں رسول ؐ کے چہیتے فرزند حسین ؑ ابن علی ؑ کی قبر ہے کسی طرف فرات کی ترائی پر حسین ؑ کا وفادار بھائی علی ؑ کا لال جس کو علی ؑ نے اپنے نور نظر (حسین ؑ) پر اس دن قربان ہونے کے لئے ذخیرہ کیا تھا۔ شانے کٹائے ہوئے سو رہا ہے کہیں عون و محمد ؑ ہیں تو پسران مسلم۔ کہیں حبیب ابن مظاہر ہیں۔ تو کہیں حُر ابن یزید ریاحی۔ ہاں ایک مقام اور بھی ملے گا۔ جہاں وہ تمام شہداء دفن ہیں۔ جنہوں نے حسین ؑ ابن علی ؑ پر تین دن کی بھوک و پیاس میں کربلا کی تپتی ہوئی ریت پر اپنی گردنیں کٹوا کر معراج ایمانی کا ثبوت دیا۔

یہ حسین ؑ وہی حسین ؑ ہیں۔ جن کو کوفہ والوں نے ہدایات حاصل کرنے کے لئے بلایا تھا۔ مگر اون کو مال و زر کی طمع نے جاہ و جلال کے نذریں نذر کرنے کا فریاد شاہ وقت کی کرم نوازیوں نے حق و صداقت کے پرچم کے نیچے نہ ٹھہرنے دیا۔ اور آخر وہ اس محسن اسلام کے خون بہانے پر آمادہ ہو گئے۔ اگر یہ کہا جائے کہ حسین ؑ کو غالباً اس کی خبر نہ تھی کہ کربلا پہنچکر یہ عبرت ناک مرحلہ سامنے آئے گا۔ تو یقیناً غلط ہے۔ اس لئے کہ آپ کو علم غیب حاصل تھا۔ اور دنیا کی ہر چیز آپ کے پیش نظر تھی۔ حسین ؑ باطن میں عالم الغیب ہونے کی حیثیت سے سب کچھ جانتے تھے۔ لیکن ظاہر میں بلا وجہ نہ جانا خلاف مصلحت تھا۔ اس بنا پر کوفیوں کی دعوت پر لبیک کہنے پر آمادہ ہو گئے۔ اور آخر یہی نتیجہ ظاہر ہوا تھا۔ جس کو آپ پہلے ہی زبان رسول ؐ سے سماعت فرما چکے تھے۔ یعنی ادھر سرزمین کربلا پر آپ تشریف لائے اور ادھر مصائب کا دروازہ کھلنے لگا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ کیا حسین ؑ ابن علی ؑ جنگ ظاہر بظاہر فتح کرنے کے لئے آئے تھے۔ معاذ اللہ اگر اُن کا یہ مقصد ہوتا۔ تو یقیناً اُن کے ساتھ لاکھوں کی تعداد نہ سہی ہزاروں کی تعداد میں جنگجو سپاہی ضرور ہوتے اور یقیناً اس صورت میں اون کو فتح و ظفر حاصل ہوتی۔ مگر کیا اس فتح ظاہری کے بعد ان کی یاد دلوں میں اسی طرح باقی رہتی جیسی کہ اب تک ہے۔ یقین مانئے جس طرح یزید کی ظاہری فتح نے اوس کے لئے خصوصیت باقی نہ رکھی۔ اور یہ کہ لئے بھی نہ رہی۔ جس طرح یزید کے مزار کو دنیا آج تک نہیں جانتی کہ کہاں ہے۔ اور

کے لیے بھی یہی ہوتا۔ زیادہ سے زیادہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ روضہ حسینؑ نواسہ رسولؐ ہونے کی وجہ سے ممکن ہے شہرت پا جاتا۔ مگر وہ اہمیت حاصل نہ ہوتی جو آج ہے کہ روضہ [illegible] جنوبی اور دوسری طرف شہید مظلوم کا روضہ اس کی گواہی دے رہا ہے۔ کہ یہاں اوس ہیلت کی قبر ہے۔ جس نے محمدؐ عربی کے لائے ہوئے دین پر تن من [illegible] سب قربان کر دیا۔ یہاں تک کہ اپنے چھ مہینے کے شیرخوار کو بھی بارگاہ الوہیت میں پیش فرما کر [illegible] جانبازی کا ثبوت دیا۔ حقیقتاً یہی وہ جانبازی تھی۔ جس سے اون کو باطناً اس طرح فتح حاصل ہوئی۔ کہ جس کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بج رہا ہے۔ دنیا بھی جتنا بھی اون کی اس قربانی پر پردہ ڈالنا چاہے۔ مگر اس میں کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ ہم دیکھ رہے ہیں۔ کہ جس قدر اون کی مظلومیت کو فراموش کرنے کی سعی کی جاتی ہے۔ اتنا ہی اون کا اور اون کی تعلیم کا اثر زیادہ سے زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ واللہ کہ اے حسینؑ کارے کردی!

صفحہ ۵۶ سے آگے

"قارب و اسلم" دونوں امام حسینؑ کے غلام تھے۔ جو مدینے سے کربلا تک ہمراہ رکاب رہے۔ اور وہاں پہنچ کر سپاہ حسینیؑ کے ساتھ مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔

ارباب سیر و تاریخ نے لکھا ہے۔ کہ اسلمؑ جب وقت عمر سعد کے خونخوار لشکر سے اکیلے جنگ کرنے کے لیے بڑھے تھے۔ تو اون کی سوکھی ہوئی زبان پر یہ شعر تھا۔

امیری حسینؑ و نعم الامیر
سرور فؤاد البشیر النذیر

"ہاشمی رسولؐ کے [illegible] کی مسرت حسینؑ! میرا کیا اچھا امیر ہے۔"

جب اسلم کے قتل کی خبر حسینؑ تک پہنچی۔ تو لاش پر تشریف لے گئے۔ خون میں لوٹتے ہوئے غلام کو سینے سے لگا لیا۔ اور چہرے پر اپنا رخسار مبارک رکھ کے رونے لگے۔ یہ دیکھ کر اسلم مسکرائے۔ اور [illegible] نزع کے عالم میں کہنے لگے "من مثلی و ابن رسول اللہ [illegible] خدہ علی خدی" فرزند رسولؐ میرے چہرے پر اپنا نورانی رخسار رکھے ہوئے ہے۔ اب میری کون برابری کر سکتا ہے: یہ فقرے فضائے انسانیت میں گونجے ہی تھے کہ پیام موت نے اسلم کی زبان بے حس کر دی۔ اس غلام کے الفاظ کتنے قیمتی ہیں تین روز کے پیاسے تلوار کی دھار کیا ملی جیسے کسی کو ابدی سلطنت مل جائے۔ معلوم گرم خون کی بوندوں میں کن نعمتوں کا قرا تھا۔ اور رخسار حسینؑ میں کس شاہی کی چمک تھی کہ اسلم کو اپنا مثل نظر نہیں آتا۔ جس طرح حسینؑ نے قاسم و علیؑ اکبر کی لاش کو دل سے لگایا۔ اوسی طرح اپنے غلام کی میت کو بھی۔ کیا دنیا اس انسانی مساوات کی مثال پیش کر سکتی ہے۔ اور کیا اچھوت اقوام کے لیے حسینؑ کی غلامی سے بہتر کوئی پناہ گاہ ہے؟ حسینؑ کے غلام بنو، دنیا تمہارے قدم چومے گی۔

ضروری اعلان

جن حضرات نے باوجود یاد دہانی کے بھی سال رواں کا چندہ ابھی تک ارسال نہیں کیا وہ محرم نمبر کے وصول ہوتے ہی اپنا چندہ ارسال فرما کر ممنون فرمائیں۔ (ادارہ)

بیباک و ماھلی

ہمارے کرم فرما محمد صدیق صاحب کی فرمائش ہے کہ حالات حاضرہ و واقعات عالم کی روشنی میں "محرم منبر رضا کار" کے لئے کچھ لکھئے اب کیا لکھوں؟ اس کا فیصلہ میری ناسمجھی پر ہے۔ بہر حال حالات حاضرہ یہی ہیں۔ کہ ایک طرف قعر دریا سے لیکر فضائے آسمانی تک آگ لگی ہوئی ہے۔ دھواں اٹھ رہا ہے۔ مشینیں چل رہی ہیں۔ اور چلا کون رہا ہے۔؟ انسان! کیوں؟ اس لئے کہ ہم کہتے ہیں صحیح ہے۔ تم کہتے ہو۔ غلط ہے۔ گویا صحیح و غلط ہونے کا معیار سمٹ کر ہم اور تم کے نقطہ تک آگیا ہے۔ دوسری طرف چیخ و پکار مچی ہے۔ کہ ہم بھوکوں مر رہے ہیں پیٹ پر پتھر باندھنے کے بعد بھی زندگی ناممکن ہوگئی ہے۔ خورش و پوشش کی نایابی نے عرصہ حیات تنگ کر دیا ہے۔ اور زمین کی اگلی ہوئی تمام دولت سمندروں کی تہ میں بیٹھتی جاتی ہے۔ یا دھواں بنکر اڑتی جاتی ہے۔ تیسری طرف پاکستان کا جھگڑا مچا ہے۔ ہم نے قبرستان بنگلستان۔ گیاستان و کفرستان تو سنا تھا۔ لیکن یہ پاکستان نرنا تماشہ دیکھا۔ کہ کیا بلا ہے۔ لیکن غور کرنے کے بعد معلوم ہوا۔ "کل مشرک نجس" کا جو حکم قرآن میں دیا گیا ہے۔ اس کے معنی اتنے دنوں کے بعد سمجھ میں آئے ہیں۔ اور نجس و پاک کے لفظ سے فائدہ اٹھا کر پاکستان کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ تاکہ حبید لذید ہو جائے اور ایک قسم کی چاشنی پیدا ہو جائے۔

غرض یہ اس شطرنجی بساط کی سیاسی چالیں ہیں۔ جہاں بڑی مچھلیاں چھوٹی مچھلیوں کو کھانے کی فکر میں ہیں اور چھوٹی کنکریاں بڑی کنکریوں پر سوار ہونے کی دھن میں لگی ہیں ہر شکس اس کے محرم نمبر کیلئے۔ ا کی [illegible]

سکیں۔ تین دن کے بھوکے پیاسے خدائی محبوب کا شاہکار ہے۔ اس کی یاد کے دہرانے و تازہ کرنے کا ذریعہ ہے۔ جس میں چند شہیدان راہ خدا کے کارنامے۔ جان نثاران حسینؑ کے سوانح حیات اور کچھ بے کس غریب۔ پیمردہ مخدرات کی درد آمیز کہانیاں ہیں۔ جو صرف اس وجہ سے عرصہ شہود پر آئیں۔ کہ دنیا سے ظلم کا نام مٹ جائے۔ زبردست زیر دست کی تلوار سے محفوظ رہے۔ انسان مساوات و ہمدردی کو طلاق نہ دے۔ صبر و استقلال سیکھے۔ تہذیب و شائستگی سے رہ کر خود زندہ رہے۔ اور دوسروں کو جینے دے۔ تاکہ عبد و معبود کا نازک رشتہ قائم رہے۔ نوشانہ تیار ہے۔ وہ کوس [illegible] نہ بجانے لگے۔ اور [illegible] ہو کر انسانیت حیوان نہ بن جائے۔

جس سے ظاہرا کوئی تعلق واقعات حاضرہ "محرم نمبر" سے معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن اگر محرم نمبر کے پیر دکی تعلیم و زندگی کا گہرا مطالعہ کیا جائے۔ تو ضرور یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ حسین علیہ السلام اس "ہم و تم" کی دنیا سے جس کی وجہ سے آج تمام دنیا کا نظام درہم برہم ہے۔ تنازع البقا کی جنگ جاری ہے۔ اور انسانی خون کی قیمت سمندر کے پانی سے بھی کم و بے حقیقت ہوگئی ہے۔ الگ تھے حسینؑ علمبردار حریت تھے۔ ان کی تمنا تھی۔ کہ اختلاف عقیدہ سے بنی آدم (ہندو، مسلمان، آریہ، سکھ، پارسی، جینی اور یہود) کی انسانی برادری اور اخلاق رذیلہ کے دور کرنے کا سبق دوں۔ تاکہ مسلم اور غیر مسلم سب کے سب سیدھی راہ چل کر انسانیت و آدمیت کی

صفات سے متصف ہو جائیں۔ اور دنیا امن عامہ کی تصویر بن جائے صلح و آشتی کا مسکن ہو جائے رواداری و ہمدردی کے زیور سے مزین ہو جائے۔ خدا، دھرم اور مذہب کے معنی جان لے۔ جس کی کوشش سبھی رسول، پیغمبر، نبی، ولی، امام، ہادی، رشی، منی، علما، رفلاسفر اور ریفارمر نے کی

چنانچہ یہی وجہ تھی۔ کہ آپ نے اخلاق ذمیمہ و افعال رذیلہ کے ترک کرانے کی کوشش تلوار کے زور سے نہیں کی نہ فوج و لشکر جمع کیا بلکہ چند اپنے بوڑھے، جوان، پرخلوص، باوفا صابر، متحمل و راضی برضا رہنے والے ساتھیوں کو لیکر یزید جیسے بدچلن، بدکردار، بدافعال، زانی، شراب خور و بداخلاق بادشاہ کے سامنے آگئے۔ جو چاہتا تھا۔ کہ دنیا سے مذہب و ملت کا خاتمہ کر دوں تہذیب و شائستگی و اخلاق حسنہ کو مٹا دوں۔ اور ظلم و جور، عدوان و سرکشی و تمردی بدچلنی کا ایسا سبق پڑھا دوں۔ کہ بنی نوع انسان انسانیت و آدمیت کے معنی نہ سمجھ سکیں۔ یزید نے اس موقع پر تاریخ گواہ ہے۔ کہ اپنی پوری قوت کو اور حکومت و سلطنت کے تمام زور کو صرف کر دیا تھا۔ لیکن حسینؑ نے اپنی انگلیوں پر گنی جانے والی تعدادلی تنظیمی و اتحادی قوت سے ۔۔۔ کے گلے بہتر ہزار کی تلواروں کے نیچے نہایت حسن کے ساتھ رکھکر اتنی قلیل تعداد سے کثرت کی اتنی بڑی تعداد کو شکست دیدی۔ کہ ظالم یزید گھبرا اٹھا۔ اور آگے بڑھ کر لینے کے پر آپ کف افسوس ملنے لگا۔

مگر اب اس کا کیا علاج ہے۔ کہ حسین علیہ السلام کی اس روشن تعلیم سے انہیں لوگوں نے فیض نہیں اٹھایا۔ جو آج تیرہ سو برس سے زاید ہو گئے۔ کہ اس داستان کو دہراتے چلے آتے ہیں

اور حسین علیہ السلام کو اپنا دینی و مذہبی پیشوا سمجھتے ہیں۔ جو حسین علیہ السلام سے نسبت قریب ہونے کا دعوے کرتے ہیں جنہیں اپنی ہر سانس کے ساتھ حسین علیہ السلام کا نام لینا پسند ہے تو پھر دور کا لگاؤ رکھنے والوں کی شکایت کیا۔ ان کی شکایت تو ہم اس وقت کرتے اور اس حالت حاضرہ پر نکتہ چینی کرتے جب ہم حسینی عمل کا نمونہ بن کر اپنے جتھے و گروہ کے درمیان سے تمام برائیوں کو، نقائص کو، کمیوں کو دور کر کے دکھلا دیتے کہ دیکھو حسینی گروہ کی شان یہ ہے۔ تو ہمیں بھی یقین کامل ہو جاتا ہے۔ کہ بیشک حسینی تعلیم بنی نوع انسان کے لئے حقیقی تعلیم ہے۔

افسوس! کہ ہم نے اس سبق کو بھلا دیا۔ ہمارے لئے وہ درس عمل آموز رسمی واقعہ ہو گیا۔ ہم اس بصیرت افروز تعلیم سے دور ہٹ گئے۔ اور روزانہ ہٹتے جاتے ہیں پھر کیسے کسی کی سمجھ میں آ سکتا ہے کہ حسینی تعلیم مصلح عالم ہے۔ ہمیں تو چاہیے تھا۔ کہ ہم مرتے وقت تک اس تنظیم و اتحاد کو یاد رکھتے۔ جس کا سبق آقائے نامدار نے میدان نینوا میں دیا تھا۔ تاکہ قلت و کثرت کے خیال سے ہم کبھی نہ گھبراتے۔ نہ مرعوب ہوتے بلکہ جتنا ہی کثرت کی طرف سے تشدد بڑھتا جاتا۔ ہم اپنی تنظیم و اتحاد کی رسی کو مضبوط کرتے جاتے۔ یہاں تک کہ ہماری جیت ہو جاتی۔

لیکن یہاں تو نہ کوئی تنظیم ہے نہ اتحادی اسکیم ہے۔ یہ روزانہ دیکھتے ہیں۔ کہ سکھ، یہود، پارسی اور دنیا کی چھوٹی چھوٹی قومیں اپنے نظام و اتفاق سے ترقی، اخلاق کے میدان میں کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہیں! وہاں کی قلت نے کثرت کو کہاں تک مغلوب کر لیا ہے پھر یہاں کی تو مکمل حسینی تعلیم کیطرح نہیں ہے۔ دیکھئے۔ حسین علیہ السلام نے انہیں حق پر جان دینے اور سچ بولنے کی تعلیم کربلا کے خونی دریا میں غوطہ پر غوطہ لگا کر دی

اگر انسان کو عرفانِ غمِ شبیر ہو جائے
شعورِ حریت دنیا میں عالمگیر ہو جائے
جھلک دی جائے اسوہ میں جہاں انداز شبیری
مسلمان فطرتِ اسلام کی تصویر ہو جائے
(نجم)

اور یہاں تک دکھلا دیا۔ کہ حق و صداقت کی بقا اور دین و ایمان کے تحفظ کے لئے حضرت علی اصغر جیسے معصوم شش ماہے بچے کا معصوم خون چلو میں لیا جا سکتا ہے اور حضرت علی اکبر جیسے اٹھارہ برس کے کڑیل جوان کو سینہ پر زخم کھاتے ایڑیاں رگڑتے باپ دیکھ سکتا ہے۔ لیکن حق و صداقت و دین و ایمان کے معاملہ میں وہ پالیسی و مصلحت کو پسند نہیں کر سکتا۔ مگر ان کے نقش پا پر چلنے والوں کو تھوڑی سی وقتی کامیابی، نمائش و سود و بہبود کے لئے اب تک پالیسی و مصلحت پسند ہے۔ حسین نے انہیں ظلم و مظلوم کا فرق اچھی طرح سمجھایا۔ اور انہوں نے اسے ایسا سمجھا۔ کہ آج ساڑھے تیرہ سو برس سے زائد وقت گذر گیا۔ کہ اس کے اظہار کے لئے مجالس محرم قائم کر کے یزید کی ظلم نوازی و حسین علیہ السلام کی مظلومیت کو واضح کرتے ہیں۔ مگر افسوس یہ ہے کہ خود صرف تلوار کی دھار سے گلے کے کاٹنے کو ظلم سمجھتے ہیں حقوق و فرائض کی عدم ادائیگی کو ظلم نہیں سمجھتے۔ قومی و ملی اتحاد کے نہ سنبھالنے کو ظلم نہیں تصور کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ سینکڑوں بیوائیں پڑی سسکتی ہیں۔ ہزاروں یتیم روتے ہیں اور صدہا شوہردار عورتیں اپنے خاوندوں کے غیر شرعی دنیا و ابرتاؤ سے نالاں و نوحہ کناں نظر آتی ہیں جس کا علاج اس حسینی گروہ کے پاس کچھ نہیں ہے۔ واللہ اگر آج اس قوم کا نظام درست ہوتا۔ یہ اتحادی جذبہ کے ماتحت کام کرتی۔ تو نہ معلوم ترقی کے کس زینہ پر ہوتی۔ اور ان شکایتوں کا کہیں نام نہ ہوتا۔

آہ! آہ!! انہیں اسلام کی نہ تبدیل ہونے والی تہذیب بتلائی گئی۔ اخلاق حسنہ کا سبق مکمل طریقہ سے پڑھایا گیا۔ اور ہمدردی و مساوات کی تعلیم حضرت جون حبشی غلام جناب ابوذر غفاری کا سر زانوئے مبارک پر اسی جگہ رکھ کر دے دی گئی۔

ظلم و ستم و جور کی طاقت لے لی
جو نسل میں جاتی وہ حکومت لے لی
شبیر کے قدموں پہ گرا تاج یزید
بیعت کے طلبگار سے بیعت لے لی

جہاں کہ حضرت علی اکبر و حضرت عباس کا سر مبارک رکھا گیا۔ لیکن پھر بھی ان کی رواداری و ہمدردی و مساوات کا یہ عالم ہے۔ کہ بھائی بھائی کا، چچا بھتیجہ کا۔ بھانجہ ماموں کا دشمن ہے اور بہن بھائی سے بیٹی باپ سے۔ زوجہ شوہر سے نالاں ہے پھر غلام و لونڈی کا اس تاریک ذہنیت میں شمار کیا۔!

انہیں وعدہ وفائی کی تعلیم دی گئی۔ اور اس کا عملی نمونہ اس شان کے ساتھ رکھا گیا۔ کہ شاہزادی نور کے مبارک ہاتھوں کا سنوارا ہوا سفیر ربانی محمد مصطفےٰ صلعم کے دہن اقدس کا چوما ہوا گلا تین دن کی بھوک و پیاس میں شمر ملعون کے خنجر کے نیچے رکھ دیا گیا۔ اور زمین سے لیکر آسمان تک شور برپا ہو گیا۔ کہ وعدہ وفا ہو تو ایسا ہو۔ عرش بریں ملائے اعلیٰ فخر و مباہات کرنے لگے مگر ان کے یہاں اس کا کوئی وزن نہیں رہا۔ یہ روزانہ کانفرنس کرتے ہیں۔ لمبی لمبی چوڑی تقریریں ہوتی ہیں تنظیم قومی و اتحاد ملی کی سینکڑوں اسکیمیں پاس کرتے ہیں۔ وعدہ وعید کئے جاتے ہیں۔ لیکن پھر وہ قلم و قرطاس تک وقف ہو کر رہ جاتی ہیں۔

چنانچہ یہی کیفیت ان کی عبادت و ریاضت و احسان فراموشی کی بھی ہے۔ جسے منظر عام پر اپنے گذشتہ مضامین میں لا چکا ہوں۔ اور جانتا ہوں۔ کہ میں بھی اس حسینی گروہ کی ایک فرد ہوں۔ اور ان سب باتوں کا عملی جواب دینا میرا بھی فرض ہے۔ مجھ میں بھی وہ تمام عیوب موجود ہیں۔ لیکن کیا کروں۔ درد دل کو کیسے چھپاؤں۔ اس لئے جب کبھی موقعہ پاتا ہوں قومی کہانی اپنی زبانی سنا جاتا ہوں تاکہ کوئی بندہ خدا کھڑا ہو جاتا۔ اور یہ نکبت و پریشانی حسینی گروہ سے دور ہو جاتی۔ ان کا اضمحلال مٹ جاتا۔ ان کی قلت ان کے لئے نقصان رساں ثابت نہ ہوتی۔ جس کا سہل و

آسان علاج موجودہ دور میں یہی ہے کہ ان میں حق و صداقت کے اظہار کے لئے وہی جذبہ پیدا ہو جائے جو رضا کاران حسینی کے دلوں میں موجزن تھا۔ اگر ان میں جناب عباس و جناب علی اکبر علیہم السلام کے سے جذبات یا اور بنی ہاشم کے سے حقیقی ولولہ پیدا نہیں ہو سکتے۔ تو حضرت حر و حبیب ابن مظاہر و بو سعید ہمدانی و وہب کلبی و حضرت جون و دیگر مجاہدین اسلام کے کارنمایاں کو سامنے رکھ کر کچھ تو حسینی گروہ میں ہم زندگی پیدا کر سکتے ہیں اور ہماری محترم ماتمی جناب فضّہ کی تاسی میں بہت کچھ کر سکتی ہیں اور زوجہ وہب کے ایثار سے سبق لے سکتی ہیں۔ زوجہ وہب کا نمونہ عمل ان کی راہ نمائی کر سکتا ہے۔ اور ایسی صورت میں ہم حالات حاضرہ کے اثر سے بچ سکتے ہیں۔ واقعات عالم سے گھبرا نہیں سکتے۔ مایوسی و ناامیدی کا شکار نہیں ہو سکتے۔ اور اسی غرض کی تکمیل کے لئے ہماری مجلسوں کا انعقاد ہوا۔ جلوس نکالنے و علم اٹھانے کا رواج ہوا۔ سینہ زنی و نوحہ خوانی کی اجازت ہوئی تاکہ دنیا حسین علیہ السلام کی مظلومیت و بیکسی و بے بسی کی کہانی کو ہمدردی و انسانیت کے تحت ہیں سنے۔ اور ان کی حق نما تعلیم سے فائدہ اٹھائے۔ اور ہم صحیح معنوں میں ان کے اسوہ حسنہ پر چلکر عملی نمونہ پیش کریں۔ ہمارا عمل دنیا کے لئے سبق آموز ہو۔

حسینیت زندہ باد

مولانا علی محمد لکھنوی

ابتداء آفرینش سے تا حال۔ اور بنی آدم کی پیدائش سے اب تک دنیا میں کوئی ایسا دلگداز اور روح فرسا واقعہ رونما نہیں ہوا جیسا حادثہ کربلا کی بے آب و گیاہ تپتی زمین پر ظہور میں آیا۔ بلکہ یوں کہیے باوجود دیرینہ سالی چشم فلک نے نہ ایسا ظلم دیکھا جس کی درندگی خونخوار حیوانات سے گوئے سبقت لے گئی (جس نے بزبان حال بتا دیا کہ تیز دانت اور بڑے بڑے ناخنوں والا جانور اتنا خطرناک نہیں جسقدر یہ انسان ہے) اور نہ ایسا مظلوم دیکھا جس کا صبر تحمل لوح ایجاد پر نقش اول بھی تھا اور آخر بھی۔ بہمیت اور بربریت کی اعلیٰ مثال دیکھنا ہو۔ تو وہاں موجود اور سکون و اطمینان کی بہترین نظیر کی تلاش ہو۔ تو اسی سرزمین سے دستیاب ہوگی۔ ظلم، قساوت، شقاوت کا گھر یزید اور اس کا لشکر تھا۔ مہربانی رقت قلب بسعادت حسین اور حسینیوں کے لباس میں جلوہ آرا تھی۔

سرگذشت نینوا وہ ماجرا ہے۔ جو اپنی نوعیت اپنی اہمیت اپنے رموز اپنے اثرات کے لحاظ سے خود اپنی مثال ہے۔ یہ ہی وہ واقعہ ہے۔ جس نے انسانی جمود کو جوش اور غفلت کو ہوش سے بدل دیا سوئی ہوئی حمیت کو خواب گراں سے چونکایا۔ گئی ہوئی بات کو پلٹایا یہی وہ واقعہ ہے۔ جس سے اولاد آدم انسانی تکمیل کے واسطے ہر قسم کی نصیحت حاصل کر سکتی ہے۔ اور ہر قسم کا سبق اسی سے ملتا ہے۔ یہ ہی وہ واقعہ ہے جس میں اخلاق حسنہ، سخاوت، شجاعت مروت، فتوت، صبر، رضا، حلم، سکون، بردباری، کرم، رحم رقت قلب۔ عبادت و تقویٰ، شرم و حیا، صدق و صفا، ہمدردی و مہربانی۔ ان میں سے کوئی ایسی چیز نہیں۔ جس کا عملی درس نہ ملتا ہو۔ یہ ہی راز ہے۔ کہ تیرہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی لوح حافظہ انسانی سے یہ واقعہ محو نہ ہو سکا۔ بلکہ نقوش اور گہرے ہوتے جاتے ہیں۔ اب بھی یادگار منائی جاتی ہے جس کی شان پہلے سے دوچند نظر آ رہی ہے۔ یہ یاد رہے۔ کہ یہ واقعہ اپنی حیات میں یادگار منائے جانے کا محتاج نہیں۔ بلکہ انسانیت حصول کمال اور اپنی بقا کی جہت سے اس کے اعادہ کی ضرورت مند ہے۔ نتیجہ یہ شاہد ہے۔ کہ یادگار منانے والے کچھ نہیں سے سب کچھ ہو گئے اور منع کرنے والے سب کچھ ہوتے ہوئے نیست و نابود ہو گئے سچ ہے چراغ الٰہی کا بجھانے والا چراغ کو گل نہیں کر سکتا۔ بلکہ خود جل بھن کے مر جاتا ہے اور وہ چراغ دن گزرنے پر اور روشن ہوتا جاتا ہے۔ یزید اور یزیدی جس چیز کو دبانا چاہتے تھے آج نہ صرف مسلمان بلکہ عالم کے تمام اقوام اس کے اعلان اور اظہار کو اپنا فخر سمجھتے ہیں۔ اور دنیا پر جب بھی ظلم کی گھنگھور گھٹا چھا جاتی ہے۔ اور جب کوئی ستم شعار سر اٹھاتا ہے اور جب کوئی جفاکار سیاہ کاری کے بل بوتے پر اقتدار حاصل کرتا ہے۔ تو اہل دل یکزبان ہو کر پکار اٹھتے ہیں۔ کہ اس وقت حسینؑ کی ضرورت ہے" (لیکن اب حسین کہاں؟) حسینیت ہے۔ اسی کو سپر بنا کر ظلم و جور کے شیطان کا مقابلہ کیا جاتا ہے جس سے کمزور فاتح، شہزور مفتوح بن جاتا ہے۔

یہ ہی واقعہ وہ واقعہ ہے جس سے ارباب دیانت اور ارباب سیاست دونو برابر کا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ سیاست والوں کو دیکھئے۔ تو یہ ہی کہتے ہیں۔ ہر مہتم بالشان مقصد میں کامیابی کے لئے حسینؑ کا استقلال چاہیئے۔" اور مذہبی جماعت پر نظر کیجئے۔ تو یہ ہی کہتے ہوئے ملتے ہیں۔ کہ کمال اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا۔ جب تک حسینی

صبر وسکون سے کام نہ لیا جائے"۔ غرض کارنامہ حسینی ہی وہ کارنامہ ہے۔ جس نے انسانیت کے پیکر مردہ میں فقط روح ہی نہیں پھونکی بلکہ ایسے قوانین بھی بنائے۔ جن پر عمل پیرا ہو کے انسانیت کو دائمی زندگانی کا وہ لباس ملتا ہے۔ جو ابدالاباد اس سے نہیں چھن سکتا۔ تو آپ یوں سمجھئے۔ کہ حسین نے ایک قالب بے جان میں فقط روح رواں نہیں دوڑائی۔ بلکہ اس کو حیات جاودانی بخشی۔ یہ وہ واقعہ ہے۔ جو اپنی معنویت کے اعتبار پر کچھ ایسا دلکش ہے۔ کہ ہر قوم اور طبقے کے قوائے فکر کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ ہر ایک نے اپنی اپنی حیثیت کے موافق دماغ آزمائی کی ہے۔ اور بہت کچھ کسی نہ کسی نتیجہ کو پالیا۔ اسی واقعہ نے مظلوم کی جو حوصلہ افزائی فرمائی۔ اور ظالم کی جس طرح کمر ہمت توڑی اپنی مثال آپ ہے۔

میرا دعوی ہے اگر کسی ظالم تاجدار کو یہ یقین ہو جائے۔ کہ مجھے حسینی صبر وسکون کا مقابلہ کرنا پڑیگا تو کبھی اس کو ظلم کی ہمت ہی نہ ہو حسینؑ کی بے سر وسامانی نے حسینؑ کی مظلومیت کا وہ سکہ بٹھایا ہے۔ ان کی شجاعت کی وہ دھاک بٹھائی ہے۔ کہ یزیدیت سر ہی اس وقت اٹھاتی ہے۔ جب اس کو یقین ہو جاتا ہے۔ کہ میرا مقابل حسینیت سے خالی ہے۔ اور کبھی دھوکے میں یزیدیت نے سر اٹھایا۔ تو فنا کے گھاٹ اتر کے رہی۔ جب تک انسانی فطرت محسن شناس ہے۔ جب تک وہ ماحول کی مسموم فضا سے زہریلے جراثیم جذب کر کے بیمار نہیں پڑی۔ وہ کمال اور اوصاف حمیدہ کی دلدادہ رہے گی چونکہ حسینؑ باکمال ہی نہیں۔ بلکہ ناقصین کو کامل بنانے والے تھے اوصاف حمیدہ سے متصف ہی نہیں بلکہ اس کا مرکز تھے۔ اس لئے انسان حسینؑ کی قدر کرتے ہیں۔ تشنہ کربلا کی عظیم شخصیت کو ہرگز فراموش نہیں کرتے۔ زید وعمر کا تذکرہ نہیں نظر والے انسان کا ذکر ہے۔ وہ تو حسین کو بھلا ہی نہیں سکتا۔ اس لئے انسانیت حسین کی قدر دان ہے۔ لہذا جس کو انسانیت پیاری ہے۔ اس کو حسینؑ ضرور عزیز ہوں گے۔ حسین کو اس وقت فراموش کیا جا سکتا ہے جب بربریت جام فنا نوش جان کرنے کا ارادہ مصمم ہو جائے۔ اور یہ دشوار ہے۔ لہذا حسین سے محبت ناگریز ہے۔ بلکہ میری آنکھیں تو یہ دیکھ رہی ہیں۔ کہ کچھ حسین نہیں۔ نام حسین کی محبت دل کی گہرائیوں میں جلوہ ریز ہے۔ تا اینکہ اس کی بقا کے لئے ایک جم غفیر اپنے آپ کو آغوش اجل میں دینے کے لئے تیار ہے۔ کربلا کے مظلوم دیکھو تمہاری بیکسی نے تمہارے کتنے جاں نثار پیدا کر دیئے۔ جن کا وجود قیامت تک رہے گا۔ اے دنیائے انسانیت کے پیارے حسین انسانیت کبھی تمہارے احسانات سے سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ تم نے انسانیت کے ساتھ۔ جب کے اس کے چہرہ پر مردنی چھا چکی تھی۔ اور اس کی نبضیں ڈوب چکی تھیں۔ وہ مسیحائی کی۔ کہ اس کی رگوں میں خون تازہ دوڑنے لگا۔ اور تھمتے ہوئے قلب میں نئی حرکت پیدا ہو گئی۔ فنا شدہ نقوش انسانیت پھر سے ابھرے۔ یہ کشتی کب کی ڈوب جاتی۔ اگر تم ناخدائی نہ کرتے۔ انسانیت کا بیڑا پار لگانا اور ساحل مراد تک پہنچانا تمہارا کام تھا۔ اس کے نابود ہو جانے میں کیا رہ گیا تھا۔ اگر تم دستگیری نہ کرتے۔ لہذا اے حسین جب تک انسانیت میں رمق ہے تمہاری شکر گذار رہے گی۔ اور جب تک دنیا میں انسان موجود ہے۔ اور اس کے پہلو میں دل اور دل میں حسین کی تڑپ ہے

ایک معصوم جلوہ قلب میں اور پیارا نام زبان پر رہے گا فرزند رسول یہ اس لئے نہیں کہ اس سے آپ کو کچھ فائدہ ہوگا۔ بلکہ صرف اس لئے کہ انسانیت کی بقا کا راز اسی میں مضمر ہے۔

نازجس پر آپ کرتی ہے شہادت وہ حسینؑ
جس نے عالم سے مٹادی رسم بیعت وہ حسینؑ
تھی نبوت کی سپر جس کی امامت وہ حسینؑ
جس کی نسبت سے ہی خود عزت کی عزت تھی وہ حسینؑ

کہ آپ ایسے محسنِ اعظم کو فراموش نہ کرے۔ حسینؑ! انسانیت آپ کو کیوں کر بھلا سکے جس کے سخت سے سخت وقت میں آپ نے اس کو اور اس کے ساتھ حسنِ سلوک کو نہ بھلایا۔ مال، دولت، عزت و ناموس اہل و عیال، عیشِ حیات، آل اولاد، دلی مسرتیں، گھر بار سب اس کی اصلاح کے لئے ایک ایک کر کے قربان کر دیئے۔ پھر بھی اگر انسانیت آپ کو بھول جائے۔ تو یاد کس کو رکھے۔

یہ معلوم ہے کہ انسان اپنی ترقی میں نمونہ اور مثال ڈھونڈتا ہے۔ جس میدان میں اس کو کسی کے نقشِ قدم نہیں ملتے۔ وہاں قدم رکھتے ہوئے اس کا دل ڈرتا ہے۔ اور جسم میں کپکپی ہوتی ہے۔ اگر چلنے کا قصد کرتا بھی ہے۔ تو زندگانی سے مایوس اور انجام سے بے خبر ہو کے لیکن جب کوئی مثال مل جاتی ہے اور کسی کامیاب مسافر کا نقشِ قدم سامنے آجاتا ہے۔ تو دل کو ڈھارس ہوتی ہے۔ اور طبیعت اطمینان کے ساتھ مصروفِ کار رہتی ہے۔ حوصلہ میں بلندی اور دل میں قوت جلوہ ریز رہتی ہے۔ اگر امام حسینؑ یہ اعلیٰ مثال قائم نہ کر جاتے۔ تو کون آگے بڑھتا اور ترقی سے دو چار ہوتا۔ یہ مانا کہ اور کوئی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ مگر یہ خیال تو ضرور ہی آئے گا۔ کہ کربلا والے تو اتنا کچھ کر گئے۔ کچھ نہ کچھ تو ہم کو کرنا ہی چاہیئے۔

کارنامۂ حسینی کے ہر پہلو پر اس قلیل فرصت میں روشنی ڈالنا یقیناً میرے لئے ناممکن ہے۔ آیئے اس وقت صرف اسی پر قناعت کریں۔ کہ اس واقعہ سے عبد و معبود، خالق و مخلوق کے تعلقات پر کیا روشنی پڑتی ہے۔ اس مطلب کی وضاحت کے لئے جتنے واقعات ہیں جو تاریخ کے سینے میں محفوظ ہیں۔ ان سب کو پیش کرنا کافی وقت چاہتا ہے۔ اس لئے فی الحال شبِ عاشور کے مختصر تذکرے سے استدلال کروں گا جس سے اہلِ دل اندازہ فرمائیں گے کہ اس سانحہ میں کتنی معنویت تھی۔ اور حسینی شخصیت کتنی ارفع اور اعلیٰ تھی۔ اور یہ بھی ملاحظہ فرمائیں گے۔ کہ خلاق آشنا بندوں کا رشتۂ عبودیت کتنا مستحکم ہے۔ جس کو دنیا کی کوئی شے کوئی طاقت نہیں توڑ سکتی۔ آہ عصر نہم محرم کا وقت کتنا پرہول ہوگا۔ جب یزیدیوں کی آہن پوش فوج ٹڈی دل کی طرح ادھر امنڈ رہی تھی۔ جدھر شاہ کم سپاہ سو سے کم ساتھیوں کے ساتھ جلوہ افروز تھے۔ ایسے بے یار و مددگار پیاس ہجوم کثیر کا حملہ تاریخ میں اپنی آپ مثال ہے۔ اس ہوشربا یورش اور حسرتناک ہنگامہ میں اگر اس مختصر سی جماعت کے حواس میں اختلال اور قدموں میں لغزش خیالات میں تبدیلی۔ ارادوں میں تغییر رونما ہوتا۔ تو بشریت کی نگاہیں ہرگز شرمندہ نہ ہوتیں اور دنیا کا کوئی انسان ان کے عزمی انقلاب کو برا نہیں سمجھ سکتا تھا۔ وہ جو بھی مجبوری ظاہر کرتے عذر بادر نہ سمجھی جاتی۔ ذرا سوچئے تو اگر سو آدمیوں کی ایک چھوٹی جماعت ہزار سپاہیوں کے نرغہ میں آجائے۔ تو ان پر کیا گذری ہوگی۔ مگر یہ لوگ ہزاروں جانستان دشمنوں میں گھر جانے کے باوجود۔ بے سر و سامان ہونے کے باوجود۔ تشنہ و گرسنہ ہونے کے باوجود۔ اطمینان، سکون، استقلال، جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے تھے۔ کیا مجال جو پریشانی ان کی پیشانی سے آشنا ہوئی ہو۔ کمانیں کڑکنے پر تیار مگر ان کی جبین پر شکن نہیں۔ ادھر تلواریں کھنچ رہی ہیں۔ مگر ان کی ابرو پہ بل نہیں۔ ادھر سے تیر پر تیر آتے ہیں۔ مگر ان کی نظر نہیں بدلتی۔ یکسوئی میں کوئی فرق نہیں۔ نہایت سکون و استقلال کے ساتھ امام حسینؑ نے اپنے قوت بازو جناب عباس سے فرمایا۔ بھیا! ذرا دیکھو تو یہ لوگ کس ارادہ سے آئے ہیں۔ جناب عباس حکم پاتے ہی لشکر مخالف کے پاس آئے۔ ماجرا دریافت کیا۔ پسر سعد نے کہا: "ابن زیاد کا حکم ہے۔ کہ جلد از جلد

شہیدِ ظلم کلیجے ہلا دئے تو نے
حسینؑ درد کے دریا بہا دئے تو نے
ہر اک ذرۂ بے حس میں ایک تڑپ بھر دی
دماغ وضع کئے دِل بنا دئے تو نے

تمہارا قصہ تمام کیا جائے ۔ اور خدا ہی جانے عباس جیسے شیر نے کس ضبط سے کام لیا ہوگا ، جناب عباس امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام سرگذشت کہہ سنائی ۔ امام حسینؑ نے فرمایا بھائی پھر جاؤ ۔ اور ان سے ایک رات کی مہلت مانگو ۔ تاکہ اس آخری شب کو لطیب خاطر اپنے پیدا کرنے والے کی عبادت میں تیغ کردیں اللہ اکبر ۔ زندگی کی آخری گھڑیاں کتنی پر ہول ہوتی ہیں ۔ مگر ان آخری گھڑیوں اور حیات کی آخری سانسوں کی لذت کوئی حسین سے پوچھے ۔ تمام مورخین گواہ ہیں ۔ کہ وہ رات کسی کام میں نہیں کٹی ۔ وہ رات ذکر میں ، رکوع میں ، قیام میں ، قعود میں ، تسبیح میں تہلیل میں ، تحمید میں تکبیر میں سحر ہو گئی ۔ کربلا کا ملاخیۂ میدان ان سپاہیوں کی آواز سے گونج رہا تھا ۔

دشمنوں میں جنگی تیاریاں ہو رہی تھیں ۔ تیر و نیزہ ، شمشیر پر دہار رکھی جا رہی تھی ۔ آلاتِ حرب ایک ایک کرکے سنوارے جا رہے تھے ۔ تھیلیوں میں پتھر جمع کئے جا رہے تھے ۔ لیکن حسین کی طرف کیا تھا ۔ لہم دوی کدوی النحل ۔ شہد کی مکھیوں کی پرواز میں جو گونج ہوتی ہے ۔ اسی طرح ان تشنہ کاموں کی تسبیح نے کربلا کی فضا کو بھر دیا تھا ۔ وہ آواز آج بھی فنا نہیں ہوئی ۔ عالم بالا کی سیر میں مصروف ہے ۔ کاش جاذب الصوت آلات اتنے قوی ہو جائیں ۔ کہ فضا کی آوازوں کو سمیٹ سکیں ۔ تاکہ دنیا ان پیاموں کی تسبیح اور اس کے لہجہ کو اپنے کانوں سے سنکر اندازہ تو لگائیں کہ مخلوق پر خالق کا حق ہے ۔ اور وہ بندے کس آن بان کے تھے ۔ جو صبح قربانی کی روز کی خوشی میں رات کو عید کی طرح خوشی سے ایک دوسرے کے گلے ملتا تھا ۔ اور مبارکباد دیتا تھا ۔ گو ان کی زندگی خطرہ میں تھی ۔ مگر جان آفرین کی یاد نے ان کو بے خوف بنا دیا تھا ۔ کہ یہ واقعہ ہر مذہب و ملت والے کو پالنے والے کی پیدا کرنے والے کی قدر و منزلت نہیں بتاتا ۔ کیا اور اس قسم کے حسینی تمام کارنامے بلا قید مذہب و ملت ہر شخص کو خودی کا سبق نہیں دیتے ۔ کیا حسینی کوششیں ہر شخص کے لئے مفید ثابت نہیں ہوئیں ۔ یہ ہے وہ حسینیت جس پر کائنات کو ناز ہے ۔ اور کیوں نہ جس کے حسین کا ہر کارنامہ افادیت کی شان ہے ۔ اور جس کی شان و شوکت اپنی مثال آپ ہے ۔ اسی بے مثالی اور دیگر خوبیوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے حافظ شیرازی فرماتے ہیں ؎

انچہ جان عاشقاں از دست ہجرت میکشد

کس ندیدا اندر جہاں جز کشتگان کربلا

امام حسین علیہ السلام کا خطبہ

مولانا باقر علی صاحب نجفی

یہ وہ خطبہ ہے جو حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام نے روز عاشورہ حضرت حر کے آنے کے بعد اور جنگ شروع ہونے سے پہلے ارشاد فرمایا تھا۔ وہ لوگ جو حضرت کے کلام بلاغت نظام سے درس عبرت حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ اس خطبہ کو بار بار پڑھیں اور غور کریں۔ کہ یہ شاہ ہدایت و صراط مستقیم پر چلنے کے مشعل نور کا کام دیتا ہے یا نہیں ضرور دیتا ہے اور اس پر آشوب زمانہ میں کس قدر کارآمد ثابت ہوتا ہے امام عالی مقام نے پہلے اپنے متعدد بزرگوں کو وعظ و نصیحت کرنے کے واسطے لشکر ابن سعد کی طرف بھیجا۔ جب ان کا کلام کارگر نہ ہوا۔ تو خود بنفس نفیس اتمام حجت کی غرض سے تشریف لائے۔

فتقدم الحسین علیہ السلام و راء صفوفهم کالسیل واللیل فقال الحمد لله الذی خلق الدنیا فجعلها دار فناء و زوال منصرفة باهلها حالاً بعد حال فالمغرور من غرته الدنیا والشقی من فتنته۔

فلا یغرنکم الحیوة الدنیا ولا یغرنکم بالله الغرور ومنها فنعم الرب ربنا وبئس العباد انتم اقررتم بالطاعة وامنتم بالرسول محمد صلی الله علیه و آله ثم انتم رجعتم الی ذریته وعترته تریدون قتلهم لقد استحوذ علیکم الشیطان فانساکم ذکر الله العظیم۔ فتبا لکم وما تریدون انا لله وانا الیه راجعون هولاء قوم کفروا بعد ایمانهم فبعداً للقوم الظالمین۔

فتقدم عمر بن سعد و قال یا اهل العراق اشهدوا انی اول من رمی فرشقوا کالسیل فقال الحسین علیہ السلام هذه رسل القوم الیکم فقوموا رحمکم الله الی الموت الذی لابد منه۔

فجعل زهیر بن القین علی المیمنة وحبیب بن مظاهر فی المیسرة واعطی الرایة العباس بن علی علیہ السلام

پھر امام حسین علیہ السلام صفوف لشکر کے سامنے آئے جو کہ مثل سیل دریا اور سیاہی شب کے تھا۔ اور فرمایا۔ تمام تعریفیں لیے اسکے واسطے ہیں جس نے دنیا پیدا کی۔ اور اس کو جائے فنا قرار دیا۔ اور یہاں کی ہر شے کو قابل زوال بنایا۔ اور کسی کو بھی ایک حالت میں ثابت و برقرار نہ رکھا۔ پس دھوکے میں وہی ہے جس کو دنیا نے دھوکا دیا۔ اور بدبخت ہے وہ جو اس دنیا میں مبتلا ہو گیا۔

پس اے لوگو۔ تمکو اس پست دنیا کی زندگانی دھوکا نہ دے۔ اور اللہ کے ساتھ غرور نہ کرو۔ اور اس سے اکڑ کر نہ چلو کیا اچھا ہے۔ ہمارا پالنے والا اور کیسے برے ہو تم اس کے بندے تم نے تو اقرار کیا تھا۔ اس کی فرمانبرداری کا اور تم ایمان لائے تھے۔ اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ پر اور تم پلٹ پڑے اس کی ذریت اور عترت پر اور تم اس کے

قتل کا ارادہ کرتے ہو۔ تمہارے دلوں پر شیطان ایسا غالب ہو گیا ہے کہ اس نے تمہارے دلوں پر اس بزرگ کا ذکر تک بھلا دیا۔ پس بہت برائی ہے۔ تمہارے لئے اور جس کا تم ارادہ کرتے ہو۔ وہ بھی بہت بری شے ہے۔ ہم سب لوگ اللہ کے واسطے پیدا ہوئے ہیں۔ اور اللہ کی طرف واپس جائیں گے تم وہ قوم ہو جو کہ ایمان لانے کے بعد پھر کفر کیا کرتی ہے آگاہ ہو! کافروں سے خدا کی رحمت بہت دور ہے۔

پس عمر بن سعد آگے بڑھا۔ اور پکار کر کہا عراق کے باشندو گواہ رہنا کہ میں سب سے پہلے اپنا تیر حسینؑ کی طرف پھینکتا ہوں۔ اس کے بعد سبوں نے اس طرح تیر چلائے جیسے دریا میں بہاؤ آتا ہے

پھر حضرت نے فرمایا

یہ تیر اس قوم کی طرف سے پیغام جنگ لائے ہیں۔ تم بھی موت کے لئے آمادہ ہو جاؤ۔ جو کہ ایک نہایت ضروری امر ہے۔

اس کے بعد حضرت نے زہیر بن قین کو میمنہ کا افسر بنایا اور حبیب بن مظاہر کو میسرہ کا اور لشکر کے علمبرداری کا منصب فخر بنی ہاشم حضرت ابوالفضل العباس کو عنایت فرمایا۔

نتائج:۔ (۱) جب تک لشکر مخالف سے تیر نہ آئے اس وقت تک اپنے اپنے لشکر کے میمنہ و میسرہ کو بھی مرتب نہ فرمایا اور نہ منصب علمداری عنایت فرمایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آخری وقت تک بھی صلح کے خواہاں تھے

(۲) دنیا کے دھوکے میں آکر کسی ناجائز لشکر میں بھرتی ہو کر حضرت رسولؐ و ذریت بتولؑ کے خون میں ہاتھ نہ رنگنا چاہیئے

(۳) خدا اور رسول پر ایمان لانے کے بعد اس کے احکام سے منہ نہ موڑنا چاہیئے

(۴) برے کام کرنے سے انسان کے دل پر شیطان اب مسلط و حاوی ہو جاتا ہے کہ پھر خدائے بزرگ کا فکر بالکل اس کے دل سے نکل جاتا ہے

(۵) دنیا ایک فانی شے ہے اور آخرت ایک باقی امر ہے۔ باقی کو فروخت کر کے اس کے عوض میں فانی کو اختیار نہ کرنا چاہیئے

اس کے علاوہ اور بھی بہت سے نتائج ہیں۔ جو غور سے پڑھنے والے خود اپنے ذہن میں حاصل کر سکتے ہیں۔ اس خطبہ کو جتنا زیادہ پڑھئے اتنا ہی زیادہ فائدہ اٹھائیے۔

حسینؑ! زور و شجاعت غلام تیرے ہیں
وفا و صبر و تحمل یہ نام تیرے ہیں
کبھی رسول کا کاندھا کبھی بتول کی گود
کبھی کنار علی یہ مقام تیرے ہیں

حسینؑ کامیاب ہوئے یا یزید بقیہ صفحہ ۳۸

اقرار کرتے ہیں۔ اور جو لوگ دمشق میں معاویہ اور یزید کے مرگھٹ کی کس مپرسی اور ذلت و خواری کا نظارہ دیکھ چکے ہیں۔ وہ لاغلبن انا و رسلی۔ و حزب اللہ هم الغالبون کی تصدیق کرنے پر مجبور ہیں۔

بے بصیرت ہیں وہ لوگ جو سانحہ کربلا کو دو فوجوں کی جنگ سمجھتے ہیں وہ تو دو متضاد و مخالف طریق فکر (Ideology) کی آویزش تھی ایک طرف وہ تھا جو اللہ کو کائنات کا حاکم اور قرآن شریف کو دستور حیات مانتا تھا۔ دوسری طرف وہ تھا جو بادشاہ کو حاکم ارض اور اس کے منہ سے نکلے ہوئے حکم کو قانون تصور کرتا تھا باطل حق سے برسرپیکار تھا۔ ظلم و ستم عدل و انصاف کے مقابلہ میں صف آرا تھا۔ ذلت کے گناہ آلود اموی فوجیں فاطمی لشکر کے سامنے استادہ تھیں بلکہ دور جاہلیت اسلام کو مٹانے کیلئے جدوجہد کر رہا تھا۔

یہ صحیح ہے کہ بظاہر حسینؑ مغلوب ہوئے۔ مگر انہوں نے صبر و استقلال کے ساتھ اپنے اصول پہ جان دیکر اسلامی حکومت اور قرآنی دستور حیات کے علم کو سربلند کر دیا۔ ان کی مظلومانہ شہادت نے وہ آگ روشن کر دی جس نے ایک طرف خرمن ظلم و استبداد کو خاکستر کر دیا۔ دوسری طرف کفر کی تاریکی میں گم کردہ راہ لوگوں کو حق کا سیدھا راستہ دکھا دیا۔ یہی تھی وہ کامیابی جو شہدائے کربلا کو حاصل ہوئی۔ اور یہی ہے وہ فوز عظیم جس پر فائز نہ ہونے کا افسوس اور فائز ہونے کی آرزو ہر مومن کے دل میں گھر کئے ہوئے ہے۔ یالیتنا کنا معکم فنفوز فوزاً عظیما

کربلا کی جنگ میں عورتوں کا حصہ

سید احمد حسین ترمذی

کربلا میں آزادی کی جنگ آج سے تیرہ سو سال قبل لڑی گئی۔ جب کہ دنیا میں رسل و رسائل کے ذریعے محدود تھے۔ کیونکہ ان دنوں نہ ڈاک کا انتظام تھا۔ نہ تار۔ ٹیلی فون۔ بے تار کا تار اور ریڈیو کا تو ذکر ہی نہیں۔ ان دنوں ایک خبر دوسری جگہ پہنچانا صرف قاصدوں کا کام تھا۔ اور اگر خدانخواستہ قاصد کو کوئی نقصان پہنچ جائے یا وہ گم ہو جائے۔ تو وہ خبر یا واقعہ جس کے متعلق وہ خبر ہوتی وہ حرف غلط کی طرح مٹ جاتا۔

سرکار شہادت حضرت امام حسین نے نہ چاہا۔ کہ مدینہ اپنے نانا کی بستی میں مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہیں۔ اور نہ یہ گوارا ہوا۔ کہ خانہ خدا میں خونریزی ہو۔ اور حالات موجودہ میں جنگ ناگزیر تھی۔ اور یہ بھی نہ چاہتے تھے کہ واقعات جو رونما ہونے والے ہیں وہ آئندہ آنے والی نسلوں اور موجودہ لوگوں سے پوشیدہ رہیں۔ بلکہ ان ہونے والے واقعات کی نشر و اشاعت ہی حاصل مقصد تھا۔ آج وہ واقعات ان لوگوں کے لئے اور آنے والی نسلوں کے لئے کامیابی کا راستہ ثابت ہوں۔

سیدنا امام حسین اہل عرب کی طبائع خو و بو طور طریقے سے نہ صرف ایک عرب بلکہ بنی ہاشم کا فرد ہونے کی حیثیت سے اچھی طرح سے واقف تھے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے۔ کہ عربوں میں شقاوت قلبی کا مادہ کس قدر زیادہ ہے۔ وہ جانتے تھے۔ یہ لوگ میری شہادت کے بعد اہل حرم اور بچوں سے کیا سلوک روا رکھیں گے۔ اس لئے آپ نے مناسب یہی جانا کہ ان سب کو ساتھ لیں۔ کیونکہ یہی ایک ذریعہ بنی امیہ کے مظالم کی داستان سنانے والا ہوگا۔ وگرنہ بہت ممکن تھا کہ جیسے بنی امیہ نے خطبات کے ذریعے سے۔ واعظوں کے ذریعے سے خطیبوں کے ذریعے سے اور انعام و اکرام کے ذریعہ سے آل محمدؐ کی شخصیت اور مدارج سے لوگوں کو ناآشنا کرنا شروع کیا ہوا تھا۔ شہادت کے واقعات پر بھی پردہ ڈال دیا جاتا۔ اور دنیا کو معلوم بھی نہ ہو سکتا کہ حسین کون تھا؟ اس نے اسلام پر کیا احسان کیا؟ اسلام کو کیسے زندہ کیا؟ وغیرہ و ذالک۔ اس لئے ضروری ہوا۔ کہ دیکھیں۔ اس جنگ میں عورتوں نے کیا حصہ لیا۔ اور کیا سرکار شہادت اس انتخاب میں کامیاب رہے یا ناکام

محبت کی عموماً چار قسمیں بتاتے ہیں

(۱) ایک وقتی محبت۔ جیسے ریل کے مسافروں میں آپس میں محبت ہو جاتی ہے۔ صرف اس وقت کے لئے سفر کے ختم ہوتے ہی محبت کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے

(۲) دوسری جبری محبت۔ جیسے رعیت کو حاکم سے ہوتی ہے جب تک حاکم موجود۔ محبت موجود۔ جب حاکم غائب۔ محبت مفقود

(۳) لالچ یا نفع کی محبت۔ جیسے عاشق کو محبوب سے یا بلبل کو گل سے۔ اس کی خوشبو اور رنگینی کی وجہ سے ہوتی ہے۔

(۴) چوتھی فطری محبت۔ جیسے ماں کو بیٹے سے۔ یہ ہی سب محبتوں سے اعلیٰ اور ارفع گنی جاتی ہے۔ کیونکہ بیٹا کیسا ہی نالائق اور ناخلف بھی ہو۔ پھر بھی ماں کی مامتا میں فرق نہیں آتا۔ بلکہ قبر کے کونے تک اس کی خیر خواہی کا وہم پھرتی نظر آتی ہے۔ اگر یہ فطری محبت نہ ہوتی۔ تو انسان اور حیوان چرند پرند کی نسل کی افزائش نہ ہو سکتی۔

اب میدان کربلا میں دیکھئے۔ کہ ماؤں نے کس طرح اپنی اس

فطری محبت کو سرکار شہادت حضرت امام حسین پر فدا کیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ ایک دوسری سے سبقت لے جانے کوشش کرتی نظر آتی ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ ان کی گود خالی ہو جائے تو ہو جائے۔ مگر امام زمانہ پر آنچ نہ آئے۔ بی بیاں جو کچھ کرتیں وہ خون کے رشتہ کا جذبہ سمجھا جاتا۔ مگر دیکھئے۔ امام مستورات نے کس طرح فطری محبت کو امام زمانہ پہ قربان کیا۔

زوجہ حبیب ابن مظاہر اسدی

کوفہ میں عبداللہ ابن زیاد کی حکومت کا دور دورہ ہے ہر شخص اس سے لرزاں و ترساں ہے۔ کوئی بھی حسین کی خیر خواہی کا دم نہیں بھر سکتا۔ ایسے وقت میں حضرت امام حسین کا خط طلبی حبیب ابن مظاہر کو موصول ہوتا ہے۔ وہ گھر میں آ کر زوجہ سے اس خط کا ذکر کرتے ہیں۔ زوجہ پوچھتی ہے کہ تم نے کیا سوچا۔ حبیب کہتے ہیں۔ زمانے کی ہوا کو نہیں دیکھتیں میں کیسے جاؤں۔ وہ مومنہ بول اٹھی کہ میں تم سے یہ کیا سن رہی ہوں۔ اچھا تو اگر یہی ارادہ ہے۔ تو پھر تم گھر میں بیٹھو۔ اور مجھ کو جانے کی اجازت دو۔ حبیب کہتے ہیں۔ کہ میں تو تمہارا عندیہ لیتا تھا۔ وہ مومنہ نہ صرف شوہر کو موت کی اجازت دیتی ہے۔ بلکہ اصرار کرتی ہے۔ کہ میرا خیال نہ کرو۔ اور امام وقت کی امداد پہ کمربستہ ہو جاؤ۔ یہاں تک یہ خوشی سے برداشت کر لونگی

زوجہ زہیر بن القین بجلی

زہیر بن القین بجلی قوم مزارہ اور قبیلہ الجبلیہ کے رئیس حج کے بعد مکہ سے روانہ ہوتا ہے۔ مگر امام حسین کے قافلے سے ایک منزل پیچھے قیام کرتا چلا آتا ہے۔ منزل واقفیہ پر مقیم ہے۔ کہ چاشت کے وقت امام کا قاصد پہنچتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ نواسہ رسول مقبول تم کو یاد فرماتے ہیں۔ یہ سنکر زہیر پس و پیش میں پڑ جاتا ہے

حسین کی ہے عجب طرح رہبری تو نے
لہو سے دھو دیا ہے آئین قیصری تو نے
جھکا کے مرضیٔ خالق کی بارگاہ میں سر
ہمیشہ کیلئے حاصل کی سروری تو نے

سوچتا ہے کہ کیا جواب دوں۔ اس کی زوجہ بلا کر کہتی ہے۔ کہ کس سوچ میں ہو۔ یاد رکھو۔ یہ وقت پھر نہیں آنے کا۔ دنیا چند روزہ ہے۔ خوش بخت تمہارے کہ حجت زمانہ تم کو خود دعوت دے رہے ہیں زہیر مطمئن ہو جاتا ہے۔ اس کی زوجہ بخوشی اس کو تیار کر کے خدمت امام میں بھیجتی ہے۔ اور اپنے سہاگ لٹنے کی پروا نہیں کرتی۔

زوجہ مسلم بن عوسجہ

مسلم بن عوسجہ کی شہادت کے بعد اس کی زوجہ اپنے خورد سال بچے کو سنوارتی ہے۔ اور اسلحہ جنگ سے آراستہ کرتی ہے۔ اور اس کے باپ کی تلوار اس کی کمر سے باندھ کر کہتی ہے۔ کہ بیٹا! جاؤ راہ خدا میں جہاد کرو۔ امام زمانہ کی نصرت کرو۔ اور اپنی جان امام پر قربان کرو ہر ماں یہ چاہتی ہے کہ بیٹے پر آنچ نہ آئے۔ اس کی جان جائے تو جائے۔ مگر ان ماؤں کا حوصلہ دیکھئے کہ خود سجا کر میدان جنگ کو بھیج رہی ہیں بیٹا خدمت امام میں حاضر ہوتا ہے۔ امام اس ننھے مجاہد کو دیکھکر فرماتے ہیں۔ کہ بیٹا واپس خیمے میں جاؤ۔ اپنی ماں کا کلیجہ ٹھنڈا کرو۔ ابھی تو اس کو تمہارے باپ کا غم تازہ ہے تم ہی تو اس کے بڑھاپے کا سہارا ہو۔

بچہ عرض کرتا ہے مولا! ماں ہی نے تو بھیجا ہے۔ غرض بچہ رخصت ہو کر میدان میں جا کر شہید ہو جاتا ہے۔ ظالم اس کا سر کاٹ کر اس کی ماں کی طرف پھینکتے ہیں ماں اس سر کو اٹھاتی ہے کلیجے سے لگاتی ہے۔ اس کی گرد جھاڑتی ہے۔ پیشانی کا بوسہ لیتی ہے۔ اور پھر اس سر کو دشمنوں کی طرف پھینک کر کہتی ہے کہ صدقہ واپس نہیں لیا کرتے۔

عبداللہ ابن عمیر کلبی

عبداللہ ابن عمیر کلبی نوجوان خوبصورت

زمیندار کوفہ سے کربلا کی سڑک کے کنارے اپنے کنواں پر آباد ہے
ایک روز فوج یزید کو دیکھ کر فوجیوں سے پوچھتا ہے۔ کہ کس غنیم
کے مقابلے پر جا رہے ہو۔ حالات سے واقف ہو کر بوڑھی ماں کی
خدمت میں جاتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ اماں آرزو تھی۔ کہ جہاد کروں
سو خدا نے وہ دن دکھا دیا۔ اب امام زمانہ پر فوج کشی ہو رہی
ہے۔ کیا اجازت ہے۔ کہ جاؤں۔ اور امام کی نصرت کروں۔ ماں
کہتی ہے۔ یہ دن پھر کب آئے گا۔ جاؤ اور ضرور جاؤ۔ مگر میں
ساتھ جاؤں گی۔ زوجہ کہتی ہے۔ کہ میں پیچھے نہ رہوں گی۔ وہب
خورد سال بچہ کہتا ہے۔ کہ میں بھی ساتھ جاؤں گا۔

غرض عبداللہ بن عمیر کلبی
بوڑھی ماں کو کاندھوں پر سوار کر لیتا
ہے۔ بیوی اور بچے کو ساتھ لے کر
کربلا کی طرف راہی ہوتا ہے۔ امام
حسین کوفے کی طرف منہ کئے ٹہل
رہے ہیں۔ چہرہ اقدس سے ظاہر ہے
کہ کسی کے آنے کے منتظر ہیں۔ اتنے
میں عبداللہ بن عمیر مولا کے سامنے
پہنچتا ہے۔ حضرت امام دیکھ کر فرماتے
ہیں۔ کہ میں تمہارا ہی منتظر تھا۔ اور
اصحاب سے فرماتے ہیں۔ کہ واہ۔ کیسا
خوبصورت جوان ہے۔ ہائے کیا وقت امام مظلوم پر آپڑا تھا کہ
خود انتظار فرما رہے ہیں۔

غرض یوم عاشورہ عبداللہ بن عمیر کلبی جنگ پر جاتا ہے
ماں جوش دلا رہی ہے۔ بیوی چوب خیمہ لئے امداد کو بڑھ رہی ہے
اس کی شہادت پر ماں اپنا سر سجدے میں ڈال دیتی ہے۔

اس پر زوجہ عبداللہ اپنے خورد سال بچے وہب کے ہاتھ
تلوار دے کر کہتی ہے۔ کہ بیٹا! جاؤ۔ باپ کی طرح نصرت امام
میں جان دو۔ تاکہ میں بھی تمہاری دادی کی طرح نبی زادیوں
سے خجل نہ ہوں۔ دیکھئے اس کو کہتے ہیں۔ مودت اہل بیت

اے شہید کربلا! شیر نیستان بتول
نور چشم مصطفےٰ پروردہ دوش رسول
تیرے رخ سے بزم عالم میں اجالا ہو گیا
حسن ایمان تیرے پرتو سے اجالا ہو گیا

جو فطری محبت پر غالب آ رہی ہے۔

حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے عون و محمد۔ امام کی بھاوج
نے شہزادہ قاسم۔ ام لیلیٰ نے حضرت علی اکبر اور ام رباب نے
علی اصغر شش ماہہ بچے کو مامتا، فطری محبت کو پس پشت ڈال
کر راہ حق میں فدا کیا۔

مختصراً یہ تھا اس عنوان کا ایک پہلو کہ کس طرح عوام
مستورات نے نبی زادیوں نے محبت مادری کی پروا نہ کی۔ اور جنگ
کربلا میں اپنے شوہروں اور بیٹوں کو قربان کر دیا۔

بعد شہادت امام حسین بحکم عمر بن سعد امام کے خیام میں
لوٹ کا بازار گرم ہوا۔ یہاں تک کہ
مخدرات عصمت و طہارت کے زیورات
لباس اور سروں کی چادریں تک
چھینی گئیں۔

ازاں بعد جب خیام امام کو نذر آتش
کیا گیا۔ تو حضرت زینب۔ کلثوم
ہمشیرگان امام نے نہ صرف بچوں
کو جلنے سے بچایا۔ بلکہ جلتے ہوئے
خیمہ میں گھس کر اپنی جان کو خطرے
میں ڈال کر حجت خدا۔ امام زمانہ
علی ابن الحسین کی جان کو بچایا۔

خیام کے جل چکنے کے بعد شب کے وقت حضرت زینب
سلام اللہ علیہا نے اس بے والی و بے سردار قافلہ کی جس کے افراد
اب معصوم بچے اور مستورات تھیں پہرہ دیا۔ اور حفاظت کی۔ کہ
کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ ظالم تاریکی شب کے پردے میں کوئی دور
ظلم نہ توڑیں۔

تیسری اہم خدمت جو مستورات نے ادا کی

تیسری اہم خدمت جو

جنگ کربلا میں مستورات نے ادا کی۔ اور جس کی ہی خدمت دنیا
کی تاریخ میں کربلا کی ایک روزہ مختصر جنگ کے بعد حاصل ہوئی

کہ تاریخ عالم اس کی مثال دکھانے سے قاصر ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ جب اہل بیت کے لٹے ہوئے قافلہ کی بے مقنع و چادر مخدرات کو بے کجاوہ اونٹوں پر سوار کرایا گیا۔ اور کوفے کی طرف لے جانے لگے۔ تو ان مستورات نے صرف راستے میں ہر منزل کے قیام پر مجمع کو مخاطب کیا۔ بلکہ کوفے کے بازار میں مجمع عام میں۔ دربار عبیداللہ ابن زیاد میں کربلا کی خونچکان داستان کو سنا کر لوگوں کو بنی امیہ کے مظالم سے آگاہ کیا۔ اور اپنے آپ کو اور اپنی تحریک کو پبلک سے روشناس کرایا۔

اسی طرح کوفے سے دمشق تک کے سفر میں بھی اس کام کو جاری رکھا یہانتک کہ دربار یزید میں جس میں کہ مختلف ممالک دنیا کے سفیر موجود تھے۔ اپنی ذات کو روشناس کرایا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ دنیا کے دیگر ممالک میں اس واقعہ سے لوگ باخبر ہو گئے۔ اور کہنے لگے۔ کہ افسوس ایسا ہولناک واقعہ کب سننے میں آیا تھا۔

بمصداق ؎

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

اس رسول مقبول ہادی برحق جس نے اپنی جان کو جوکھوں میں ڈال کر عربوں کو مہذب بنایا۔ وحدانیت کی تعلیم دی۔ دین کا سچا راستہ دکھایا۔ اس کے احسانات کا بدلہ اس کی امت نے اس کو یوں دیا۔

کہ اس کے ہی باغ کو تاراج کیا۔ اس کے ہی گل بوٹوں کو تباہ کیا۔ اور اس کی اولاد کو قیدی بنا کر دربار عام میں لا کھڑا کیا۔

آخری مرحلے پر جب یزید یہ دیکھتا ہے۔ کہ اب اہل بیت کو دمشق میں قید رکھنا موجب تکلیف ہے۔ تو حجت زمانہ امام سجاد کو دربار میں بلاتا ہے۔ اور عزت و توقیر سے پیش آتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ آپ جہاں چاہیں جا سکتے

جانِ پیمبر کی ہیں اللہ کے پیارے ہیں حسینؑ
چاند زہرا کے ہیں اور عرش کے تارے ہیں حسینؑ
ایکدن وہ تھا کہ دنیا ہی پھری تھی آن سے
آج کہتا ہے زمانہ کہ ہمارے ہیں حسین

(شفق کمار دی)

ہیں۔ قید و بند کا زمانہ ختم ہوتا ہے۔ اس موقعہ پر حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے فرمایا۔ کہ یزید تمہاری فوج نے مجھ کو بھائی (امام حسین) کا سوگ منانے نہیں دیا۔ اجازت دے۔ کہ روانہ ہونے سے پہلے ایک مجلس عزا برپا کروں یزید اجازت دیتا ہے۔ اور ایک مکان مجلس عزا کے لئے مخصوص کر دیتا ہے۔

اس مکان میں یزید کے محل کے قریب آٹھ روز تک مجلس امام مظلوم بپا ہوتی ہے۔ مجلس عزا بھی اس شہر میں جہاں کا حاکم خود اس ظلم کا بانی ہے۔

دمشق کے مرد و زن جوق در جوق مجلس عزا میں آتے ہیں۔ اور امام زین العابدین سید سجاد کو حضرت امام حسین کا پرسا دیتے ہیں۔

اس مجلس کا یہ اثر ہوا کہ ہر چھوٹے بڑے کو حسینیت اور یزیدیت سے واقفیت ہو گئی۔

مستورات کے یہ کارنامے بنی امیہ کی حکومت کا تختہ الٹنے کا باعث ہوئے۔

بقیہ صفحہ ۶۶۔ ہیں۔ وہ لوگ جو گریہ یا افراط گریہ میں اصلاح کے خواہاں ہیں۔ ہمارے ایک عالم جلیل سے ایک غیر شیعی عالم نے بعنوان تعجب کہا۔ کہ آخر مراسم عزا کے سلسلہ میں آپ حضرات اسقدر اہتمام کیوں فرماتے ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ صرف اسلئے کہ کہیں یوم غدیر کی طرح یوم عاشورا کو بھی دنیا فراموش نہ کر دے۔ لہذا حضرات مومنین اگر اسلام کی حقیقی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ تو ان کو لازم ہے۔ کہ تذکرہ حسین کریں۔ اور افراط گریہ سے کام لیں۔ وہ تمام مقاصد جن کا نتیجہ آئندہ دنیا حادثہ کربلا میں تصور کر رہی ہے۔ سب ایک گریہ کے رہین منت ہیں ؎

زاں کارواں گم شدہ در دشت کربلا | ہر دم بجستجو است و صد کارواں ہنوز
گلگوں کفن بخاک شدہ زخمش ہنوز | گلگوں کفن دمند گل ارغوان ہنوز

مولانا سید محمد مجتبیٰ صاحب

صفحہ عالم پر سے حسینؑ کا اقبال مند و فیروز بخت نام مٹانے اور آپ کی یاد کو قلوب اہل عالم سے محو کرنے کی ہر ممکن سعی کر کے ناکام ہونے کے بعد متعصب مسلک شمر و یزید مجبورانہ اب یہ ایک اعتراض کیا کرتے ہیں۔ کہ شمر و یزید کو خداوند عالم نے پیدا ہی کیوں کیا؟ ان کو مظالم کی قدرت ہی کیوں دی؟ اور ان سے قتل حسینؑ ممکن ہی کیوں ہوا؟ بحث طویل الذیل ہے۔ جواب تفصیل طلب ہے ارباب تحقیق و تدقیق مفصل و کامیاب فکر پاشیاں فرما چکے ہیں۔ تمام مقدمات و نتائج ادلہ و براہین کا اخبار کے محدود صفحات میں آ جانا دشوار ہے۔ لہذا حسین ابن روح رضوان اللہ علیہ کا ایک واقعہ نذر رضاکار کرتا ہوں۔ جو اختصار و استدلال کو اس قدر حاوی ہے۔ کہ نہ کوئی جواب اس سے مختصر ہو سکتا ہے۔ اور نہ بحیثیت عقل و نقل مسکت و ناطق۔ کتاب اکمال الدین احتجاج اور علل الشرائع میں محمد ابن اسحاق طالقانی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں ایک جماعت کے ساتھ جن میں علی ابن عیسی قصری بھی تھے۔ شیخ ابوالقاسم حسین ابن روح کی خدمت میں حاضر تھا۔ مجمع میں سے ایک شخص کھڑا ہو کر حسین ابن روح سے کہنے لگا۔ کہ میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ فرمایا۔ جو چاہو سوال کرو۔ کہا۔ کہ کیا حسینؑ ولی خدا تھے؟ فرمایا بے شک۔ پوچھا آپ کا قاتل دشمن خدا تھا۔ فرمایا یقیناً۔ کہا کہ کیا خداوند عالم کے لئے جائز و مناسب ہے۔ کہ اپنے دشمن کو اپنے دوست پر مسلط کرے؟ حسین ابن روح نے فرمایا۔ کہ جو کچھ میں کہتا ہوں۔ اسے سمجھو۔ تمہارے اعتراض کا جواب ہو جائے گا۔

ظاہر ہے کہ خداوند عالم رو برو بالمشافہ بندوں سے خطاب نہیں فرماتا۔ بلکہ اپنے احکام و قوانین پہنچنے کے لئے اس نے انہیں بندوں کے ہم جنس و ہم شکل رسول بھیجے۔ اگر وہ غیر جنس اور اجنبی صورت اشخاص کو تبلیغ احکام کے لئے بھیجتا۔ تو بندے ان سے متنفر و متوحش ہو جاتے۔ اور ان کی کسی ہدایت پر عمل نہ کرتے۔ اب جس وقت کہ بندوں کی طرف انہی کے ہم جنس و ہم شکل کھاتے پیتے چلتے پھرتے انسان رسول بن کر آئے۔ تو بندے کہنے لگے۔ کہ تم تو بالکل ہم ہی جیسے ہو۔ ہم تمہاری رسالت و نبوت نہ تسلیم کریں گے تا وقتیکہ تم کوئی ایسی بات نہ کر دکھاؤ جس سے ہم عاجز ہوں۔ اور یہ معلوم ہو جائے۔ کہ درحقیقت تم ایسے فضائل و کمالات کے ساتھ مختص ہو۔ جن پر ہم قادر نہیں۔ اس اعتراض کے دفع کرنے کے لئے خداوند عالم نے انبیاء و اولیا کو معجزات و خوارق عطا فرمائے۔ کوئی ڈرانے اور سمجھانے کے بعد طوفان کو لایا جس میں تمام باغی و سرکش غرق ہو گئے۔ کوئی آگ میں ڈالا گیا۔ تو وہ سرد ہو گئی۔ اور اس پر پھول برسنے لگے۔ کسی نے سنگ خارا سے ناقہ برآمد کر کے اس کی پستان میں دودھ جاری کر دیا کسی کے لئے دریا شگافتہ ہوا۔ پتھر سے چشمے جاری ہوئے خشک لکڑی نے اژدہا بنکر ساحروں کے مکر و فریب کو باطل کیا کسی نے کور مادرزاد کو بینا مبروص کو اچھا۔ اور بحکم خدا مردوں کو زندہ کیا جو کچھ امت کے لوگ گھروں سے کھا کر کھاتے اور جمع کرتے تھے۔ ان کو اس کی خبر دی کسی کے لئے ماہتاب شق ہوا۔ حیوانات مثل اونٹ اور بھیڑیوں نے کلام کیا وغیرہ وغیرہ

جب وہ حضرات ایسے ایسے معجزات لائے۔ اور ان کی امتیں عاجز رہ گئیں۔ تو خداوند عالم کے کمال لطف و عین حکمت کا مقتضا یہ ہوا۔ کہ اس نے ان کمالات و خوارق اور محیر العقول معجزات کے ساتھ انبیاء و اولیاء کے حالات مختلف و متغیر قرار دیئے۔ یعنی انہیں کسی وقت غالب اور کسی وقت مغلوب کسی وقت قاہر اور کسی وقت مقہور ٹھہرایا۔ اگر وہ ان کو ہر حال میں غالب و قاہر ہی رکھتا۔ اور ان کا ابتلا و امتحان نہ کرتا۔ تو لوگ انہیں خدا سمجھنے لگتے۔ اور دنیا کو بلا و محنت میں ان کے مراتب صبر و تحمل کا اندازہ نہ ہوتا۔ بنابریں اقدس الہی نے ان کے حالات عوام کی طرح قرار دیئے۔ تاکہ مصیبت و امتحان میں صبر کریں۔ اور حالت غلبہ میں شکر خدا بجا لائیں۔ ہر حال میں متواضع اور تکبر و نخوت سے محترز رہیں۔ جس سے بندے جان لیں۔ کہ ان کا کوئی خالق و مدبر ہے۔ جس کی طاقت ان سے کہیں بالاتر اور جو ان کو بھی مغلوب و مقہور کر دینے پر قادر ہے۔ یہ جان کر وہ بطرز اتم اس کی عبادت اور اس کے پیغمبروں کی اطاعت کریں۔ اور اس کے رسول ان لوگوں کیلئے بھی حجت بن جائیں۔ اور جو ان کی شان میں غلو کر کے حد سے تجاوز اور ان کی طرف ربوبیت و الوہیت کو منسوب کریں۔ اور ان لوگوں کے لیے بھی جو انہیں ازراہ بغض و عناد ان کے مرتبہ سے گرائیں۔ اور ماجاءبه النبی سے انکار کریں۔ اور بندوں کی سزا و جزا نجات و ہلاکت عذاب و ثواب جو کچھ ہو۔ دلیل و حجت سے ہو۔ پس چونکہ سید الشہدا بھی حجت خدا اور ولی اللہ تھے۔ اس لیے جسطرح خداوند عالم نے انہیں دنیا کو عاجز کر دینے والے اوصاف و فضائل معجزات و دلائل عنایت فرما کر شان قہر و غلبہ عطا فرمائی۔ اسی طرح دشمنوں کو بذریعہ سلب توفیقات ان پر غالب کر کے انہیں مغلوب و مقہور قرار دیا۔ تاکہ غلبہ کمالات و معجزات کے اعتبار سے امامت ثابت ہے۔ اور مقہوریت و مغلوبیت کے ذریعہ سے ان کی ربوبیت و الوہیت باطل ہو جائے۔ اور ذات حسین بھی معارف الہیہ کا مخزن حقائق عالیہ کا معدن ملکہ اپنے صفات خاصہ اور کمالات مختصہ کی وجہ سے بہترین ذریعہ معرفت عمدہ ترین زینہ تقرب یعنی سرخیل اولیا و سرتاج اوصیا بن گئی۔

صلی اللہ علیک یا ابا عبد اللہ وصلی اللہ علیک یا بن رسول اللہ بابی انت وامی ۝

بقیہ صفحہ ۶۹ سے چنانچہ شہدا کے سر نیزوں پر سوار کر کے کوفہ و شام اور دمشق کے بازاروں میں تشہیر کیے گئے۔

مگر امام حسین کا زبردست خاموش انقلاب صبر و استقلال، ثبات قدمی اور مظلومیت سے لایا ہوا انقلاب جناب زینب سلام اللہ علیہا کی پرجوش تقریروں کی ابھرنا شروع ہوا۔ ابھرا اور ایسے زور سے ابھرا۔ کہ باطل اور طاغوتی حکومت۔ مادی طاقت اور شیطانی فوجی قوت پر ناز کرنے والی سلطنت کو دو سالوں میں ہی ختم کر کے دم لیا۔ اور دنیا کو یہ سبق دیا۔ کہ خدا کی حکومت الہیہ۔ اور الہی قوانین و آئین زندہ ہیں۔ اور ہر زمانہ میں ان کی زندگی امن عالم کے لئے ضروری ہے۔ باطل حکومتیں اور طاغوتیں جو انسانی قوانین پر چلتی ہیں۔ ان کا مٹ جانا امن عالم کے لئے ضروری ہے۔ عسکری قوت کی بجائے الہی طاقت پر بھروسہ انسانی قوانین کی بجائے خدائی آئین۔ مغربی و مشرقی طرز کی حکومتوں کی بجائے حکومت الہیہ کے قیام کے لئے جد و جہد کرنا ہر حسینی مسلمان کا اولین فریضہ ہے۔

پاکستانی نظام قائم کر کے اسلامی حکومت سے امام حسین کے نانا کی شریعت کو زندہ کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے

آیئے محرم الحرام کے عشرہ میں پورے دس دن فدایان امام حسین کی جماعتوں کی تشکیل و ترتیب اور ماتم کی مشق کر کے آنے والے انقلاب اور اسلامی حکومت کے قیام و تشکیل کے لئے عزاداری کو ایک زندہ اور انقلابی تحریک بنائیں۔

نوجوانو اٹھو۔

حسینؑ کس قسم کی نصرت چاہتے تھے

مولانا سید ظفر الحسن صاحب نارسی

کسی مقصد کی عظمت اور نصب العین کی اہمیت کا صحیح اندازہ اس وقت ہوتا ہے۔ جبکہ اس کی افادی شان میں عموم اور ہمہ گیری کی بے پناہ طاقت موجود ہو۔ اس مقصد کو جانچنے کے لئے سب سے پہلے طریق کار اور افراد کار گزار پر نہایت گہری نظر ڈالنے کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے بسا اوقات مقصد بلند ہوتا ہے۔ لیکن "طریق کار" میں غلطی کر بیٹھنے کی وجہ سے نتیجہ غلط یا محدود ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور مقصد کا عام افادی پہلو کمزور ہو جاتا ہے اسی طرح کارگزار افراد کی نااہلی کی وجہ سے بھی اکثر مقصد کی عظمت خاک میں مل جاتی ہے اور ہونے والے فوائد کی ہمہ گیری کو نقصان پہنچ جاتا ہے۔ لیکن اگر "طریق کار" صحیح اور "افراد کارگزار" لائق ہوں گے۔ تو جس مقصد کو لیکر وہ اٹھیں گے۔ اس میں عظمت پیدا ہو جائے گی یا یوں کہئے۔ کہ وہ جب اٹھیں گے۔ تو مقصد عظیم کو لیکر اٹھیں گے

سبط رسولؐ حسینؑ بن علیؑ کا وقار خود اس امر کا ذمہ دار ہے۔ کہ جس مقصد کو لیکر وہ اٹھے ہیں۔ وہ نہایت عظیم ہے۔ وحی کی ہواؤں کا پروردہ۔ نانا کی ریاضت کا سیلاب باپ کی حکمت کا وارث۔ بھائی کی مصالحت کا شاہد کب کوئی ایسی حرکت کر سکتا ہے جس میں خاص اہمیت اور عام فوائد نہ ہوں۔

حسینؑ نے دیکھا۔ کہ دعائے ابراہیم کے آثار محو ہو رہے ہیں۔ نانا کا دین آخری ہچکیاں لے رہا ہے۔ اور انسانیت دم توڑ رہی ہے۔ لہٰذا حسینؑ نے طے کر لیا۔ کہ اپنی ظاہری ہستی اور باطنی روحانیت سے دعائے خلیل میں جان ڈال دیں۔ نانا کے دین میں روح تازہ دوڑا دیں۔ اور انسانیت کو امر تو زندہ کر دیں بلکہ زندہ جاوید بنا دیں چنانچہ مکہ سے نکلنے کے وقت جبکہ ناحق شناس انسان کے علاوہ تمام مخلوقات الٰہیہ نے اپنی خدمات کو پیش کیا۔ تو حسینؑ نے قوم جن کو جو جواب مرحمت فرمایا۔ اس کے آخری جملے یہ ہیں۔ کہ "فاذا قمت فی مکانی فبما یمتحن هذا الخلق المعقوس وبماذا یختبرون و من ذا یکون ساکن حفرتی وقد اختارها الله یوم دحا الارض وجعلها معقلا لشیعتنا ومحبینا تقبل اعمالهم وصلواتهم ویجاب دعوتهم وتسکن شیعتنا فتکون لهم امانا فی الدنیا والآخرة" (لہوف) یعنی اگر میں اپنی جگہ پر بیٹھ رہوں۔ تو اس سرکش جماعت کا امتحان و آزمائش کس کے ذریعہ سے ہو سکے گا۔ اور میری لحد میں کون مقیم ہو گا؟ حالانکہ خلاق عالم نے جس دن فرش زمین بچھایا۔ اسی دن اس خطۂ ارض کو میرے لئے نامزد کر دیا۔ اور ہمارے شیعوں اور دوستوں کے لئے اسے جاہ پناہ قرار دیدیا۔ وہاں پر ان کے اعمال و اوراد مقبول اور دعائیں مستجاب ہوں گی۔ وہ مقام ہمارے دوستوں کا مسکن بنے گا۔ اور دنیا و آخرت میں ان کے لئے باعث امان ہو گا" اس بیان سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت دینداری کا ایک ابدی مامن اور انسانیت کا "سرمدی مسکن" تعمیر فرمانے کی فکر میں تھے۔ آج اگر حسینؑ

کے اس مقصدِ مبارک کے حاصل ہونے میں کسی کو شک ہو۔ اور وہ چشمِ
حقیقت بین سے محروم ہو۔ تو تھوڑی سی مالی قربانی کر کے
کربلا پر چلا جائے۔ اور اپنی چشمِ ناسر بین سے دیکھ لے۔ کہ
کہ عبادت کے لئے ایک شب کی مہلت مانگنے والے کا مرقد
کس طرح عبادت کا مرکز اور دوستوں کا مسکن بنا ہوا ہے
یہ تو حسینی مقصد کی عظمت کا ایک اجمالی خاکہ تھا
اب ذرا حسینی طریق کار پر ایک غائر نظر ڈالنے کی ضرورت
ہے۔ یہ امر بالکل بدیہی ہے۔ کہ تکمیل مقصد کے لئے جو
طریقہ بہت زیادہ مفید ہوگا۔ وہی اس کا صحیح طریق
کار ہوگا۔ حسین کی نگاہوں نے حصول مقصد کے
لئے مطلوبہ [illegible] کسی چیز کو نہیں
دیکھا۔ [illegible]
جذب [illegible] جو
[illegible]
تخت میں۔ بلکہ دنیا کی [illegible]
چیز [illegible]
جو [illegible]
[illegible] نصرت مطلوب
کی ہے [illegible] مگر [illegible] مقاومت مجہول
کے عیب پر بھی [illegible] اس لئے حسین کو کچھ تھوڑے
سے مددگاروں کی بھی ضرورت محسوس ہوئی۔ ایسے مددگاروں
کی جو افراد کارکنان کی فہرست میں شامل ہونے کی صلاحیت
رکھتے ہوں جن میں ہم رنگی اور ہم آہنگی ہو۔ اسی لئے حسین
اپنے ناصروں کے دائرہ کو محدود سے محدود تر بنا لئے گئے۔

عام طور پر نصرت کا مطلب یہ سمجھا جاتا ہے۔ کہ
نصرت کرنے والے آئیں۔ اور دشمنوں کا قلع قمع کر دیں
لیکن حسین دشمنوں کا خاتمہ کرنے کے لئے ناصر کے خواہاں
نہیں تھے۔ کیونکہ یہ چیز حسین کے مقصد کے لئے کچھ زیادہ
مفید نہ تھی۔ بلکہ حسین کے نزدیک نصرت کا ایک مفہوم
دوسری تھا۔ وہ یہ کہ ناصر آئیں۔ اور کچھ تھوڑا سا مقابلہ
کرنے کے بعد قتل ہو جائیں۔

نصرت کی پہلی قسم کی ضرورت زیادہ تر اس رئیس دیندار
کو ہوتی ہے۔ جس کا مقصد جسم و جاہ کی حفاظت یا مال
و عیال کی نگہداشت ہو۔ لیکن تاریخ گواہ ہے۔ کہ حسین
کا مقصد نہ اپنے جسم و جان کی حفاظت تھا۔ اور نہ مال و
متاع یا فرزندان کا تحفظ بلکہ وہ دین و آئین کو بچانے کی
فکر میں لگے ہوئے تھے۔ اور معلوم ہے کہ دین و آئین کی
حفاظت تیر و تلوار کے ذریعے سے بقاء دوام کا مرتبہ نہیں
حاصل کر سکتی۔ ورنہ امم سالفہ کے انبیاء بھی اس طور
پر اس طریق کار کے استعمال کا استحقاق
رکھتے۔ بلکہ دین و آئین کا تحفظ
قربانیوں کے پیش کرنے پر منحصر
ہے۔ وہی مذہب زیادہ سے
زیادہ زندہ اور پائیدار رہےگا۔
جس نے زیادہ سے زیادہ باعظمت
قربانی پیش کی ہو۔ یہی نظریہ حسین
کے سامنے تھا۔ اور اسی کو حسین
عملی بنانا چاہتے تھے۔ اسی لئے اپنے
ساتھیوں کو بار بار موت کی خبر دیکر ان کو کستے اور
پرکھتے جاتے تھے چنانچہ جن افراد کی ذہنیتیں نیابت و نصرت
کرنے کے فلسفہ کو نہ سمجھ سکتی تھیں۔ یا جن کی پیشانی کی شکن سے
پہلو تہی یا تقصیر ہمت کے آثار نمودار ہوتے تھے۔ ان کو منزل بمنزل
حسین رخصت کرتے جاتے تھے۔ اور ساتھ ہی ھل من ناصر
ینصرنا کی آوازیں بھی دیتے جاتے تھے۔ یہ استغاثہ حسین اس وقت
بھی بلند کر رہے تھے۔ جبکہ تمام اصحاب و اعزا شہادت کے مرتبہ
پر فائز ہو چکے تھے۔ دل والو ذرا غور کرو کہ ایسے وقت میں جبکہ
بھائی بھتیجے بھانجے اور بیٹے سب شہید ہو چکے ہوں کیا حسین
ھل من ناصر کہکر اپنی جان بچانے کے لئے نصرت کے :

حیدر کے شیر بیشہ ہیں جان ہیں عباس
اسلام کی نصرت کا نشاں ہیں عباس
ہم اُن کو امام کہہ نہیں سکتے مگر
بازوئے امام دوجہاں ہیں عباس

بدلتے رہتے ہیں اندازِ کوفی و شامی

حقیقتِ ابدی ہے مقامِ شبیریؑ
بدلتے رہتے ہیں اندازِ کوفی و شامی (اقبالؒ)

حیدری علی پوری

حق و باطل۔ انصاف و ظلم۔ امن و بدامنی اور روحانیت و مادیت کی دشمنی بہت پرانی ہے۔ عالم انسانیت ہر وقت ہر زمانہ میں ان دو طاقتوں کے تصادم میں مبتلا رہتی ہے۔ حق و باطل کے انقلابات انصاف و ظلم کے واقعات امن اور بدامنی کے حادثات۔ روحانیت اور مادیت کے معرکات کا دوسرا نام اقوام عالم کی تاریخ ہے۔

اقوام عالم کی اسی تاریخ میں آپ کو ہر جنگ ہر لڑائی اور ہر تصادم میں یہی "دو طاقتیں" کارفرما نظر آئیں گی مگر فریقین جنگ کا رنگ اور مقام جنگ البتہ ہر زمانہ میں بدلتے اور تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔

قابیل اور ہابیل کی سب سے پہلی جنگ اور کرۂ ارض پر پہلے انسانی قطرۂ خون کے داغ سے "حق و باطل" کا یہ تصادم شروع ہوتا ہے۔ اور آج تک برابر یہی سلسلہ جاری ہے۔ اور خدا جانے کب تک جاری رہے گا۔

تاریخ عالم کی اوراق گردانی سے آپ کو معلوم ہوگا۔ کہ حق و باطل کے سینکڑوں اور ہزاروں معرکے دنیا میں ظاہر ہوئے۔ کبھی حق موسیٰ کے لباس میں نمودار ہوا۔ اور باطل نے فرعون کی صورت اختیار کی۔ کسی زمانہ میں باطل کی قوتیں نمرود کا روپ دھارن کر کے آئیں۔ اور حق ابراہیم کے لباس میں آگ نمرود کو جنت ارضی بنا کر کامیاب نظر آیا۔ کسی وقت حضرت یوسف علیہ السلام حمایت حق میں زندان مصر کے آہنی سلاخوں میں جلوہ نگن نظر آتے ہیں۔ تو زمانہ کسی دور میں صبر ایوبؑ کو حق کا لباس دیکر ظاہر کر دیتا ہے کبھی حضرت یحییٰ علیہ السلام کا سر ظالم رومی بادشاہ کے حکم سے قلم ہو کے دربار میں پیش ہوتا ہوتا ہے۔ یہ اور اسی قسم کے تمام واقعات حق و باطل کی مختلف صورتیں ہیں جن سے عالم انسانیت کو واسطہ پڑتا رہا ہے۔

الغرض حق و باطل کا تصادم ہر دور میں جاری ہے۔ اور ۶۱ھ میں یزید اور امام حسین کا تصادم بھی حق و باطل کی یادگار جنگ تھی جس نے انتہائی ظلم و ستم جور و استبداد اور انتہائی صبر و استقلال اور ثبات قدمی کی ایسی مکمل تصویریں اہل عالم کے سامنے پیش کی ہیں۔ جو آنے والے ہر جنگ۔ ہر قحط و افلاس۔ پابندی آب۔ اور اکثریت کے مقابلہ میں اقلیت کی اصولی فتح۔ روحانیت کے مقابلہ میں مادیت کی اخلاقی قوت ؤ شکست کے لئے مشعل ہدایت کا کام دے گی۔

حسینؑ اور حسینیت ہر زمانہ میں خلیل اللہ۔ اور ذبیح اللہ۔ کلیم اللہ روح اللہ اور حبیب اللہ کے لباس میں خدائی بادشاہت کی طرف بنی نوع انسان کو دعوت دیتی رہی۔ اور الکفر ملۃ واحدۃ کے اصول کے ماتحت یزید اور یزیدیت کے کوفی و شامی انداز کبھی فرعون اور کبھی نمرود اور کبھی شداد۔ کی شکل میں تبدیل ہوتے رہے اور آج بھی ہٹلر۔ مسولینی۔ ٹوجو اور دیگر طاغوتی طاقتیں مشرق و مغرب کو غلام رکھنے والی حکومتوں کے رنگ میں۔ کوفی و شامی انداز سیاست کا ہر روز نیا رنگ اور نیا ڈھنگ تبدیل کر رہی ہیں۔

آیئے امام حسینؑ کی ابدی حقیقت اور کوفی و شامی انداز سیاست

کی تبدیلیوں پر ایک سرسری نظر ڈالیں۔

امام حسین کی ابدی حقیقت جس پر تمام انبیاء علیہم السلام مامور ہوئے۔ یہ تھی۔ کہ خدا بادشاہ ہے۔ قانون و آئین اللہ کا ہے صالحین کو صرف خلافت کا حق اس شرط پر دیا گیا ہے۔ کہ وہ خدا کے آئین و قوانین کے خود پابند رہ کر مخلوق خدا میں "رحمانی" حکومت کو مضبوط و مستحکم بنائیں۔ اور انسان پر انسانی حکومت اور انسانی قانون کی حکومت کے تمام تصورات و نظریات کے خلاف جہاد کریں۔

اس ابدی حقیقت کے پیش نظر حضرت امام حسین یزید کی انسانی حکومت اور الٰہی قوانین حرام و حلال وغیرہ میں یزیدی ترمیم و تنسیخ کے خلاف زبردست اور موثر احتجاج کرنا چاہتے تھے۔ کوفی اور شامی انداز سیاست کا رنگ اور ڈھنگ یہ تھا۔ کہ پانی پر پابندی لگا کر مادی قوت سے آواز حق کو دبا دینے کے ارادے سے قحط و افلاس میں حامیان خدائی بادشاہت کو مبتلا کر کے خدائی بادشاہت کے مقابلہ میں یزیدی حکومت مستحکم کی جائے اور یزیدی راج میں اپنا قانون جاری کر کے خدائی قوانین کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے۔

حق و باطل کی ان دو طاقتوں کا کربلا میں عاشور محرم سنہ ۶۱ھ میں زبردست تصادم ہوا۔ یزید نے مادی قوت کے سہارے حسین والوں پر دریا کے علم پانی پر پابندی لگا دی جس سے معلوم ہوا۔ کہ باطل طاقتیں جب سر اقتدار ہوں۔ تو "پانی" ایسے "فیض عام" پر بھی پابندی لگا کر سمندروں اور دریاؤں پر اپنی اجارہ داری قائم کر دیتی ہیں۔ امام حسین کی جنگ کربلا میں پانی پر لڑائی اور یزید کی قوتی و شاہی سیاست کی اخلاقی موت اقوام

کیا صرف نبی کے ہی دلارے ہیں حسین
کیا صرف علی کے ہی پیارے ہیں حسین
گر دل پہ شفق بن کے نمایاں ہے جلال
قدرت کو بھی دعوے ہے ہمارے ہیں حسین

عالم کو یہ سبق دے رہی ہے۔ کہ پانی پر پابندی عائد کرنے اور سمندروں اور دریاؤں پر اجارہ داری قائم کرنے والے "باطل" پر ہوں گے۔ اور جب تک دنیا میں باطل پرستی جاری رہے گی امن عالم کی بنیادیں کمزور ہو کر جنگ و جدال کے فتنے کا باعث بنی رہیں گی۔

یزیدی طاقت نے امام حسین کے چھوٹے سے خیموں کے شہر میں کھانے پینے کی چیزیں لے جانے کی ممانعت کر دی جس سے حسین والوں پر بھوک اور پیاس کا قحط طاری ہو گیا۔ حسین والوں نے عبادت خدا۔ تلاوت قرآن کریم کی روحانی طاقت سے اس قحط اور تیروں کے ہوائی حملوں کے اب مقابلہ کیا۔ اور اس ظلم و ستم کے مقابلہ میں اب صبر و استقلال پیش کیا۔ کہ حسین والوں کا کوئی آدمی بھوک و پیاس سے موت کا شکار نہ ہو سکا حتیٰ کہ امام حسین کے شش ماہہ بچہ علی اصغر نے بھی جو قحط آب میں مبتلا تھا۔ تیر ستم کا نشانہ بن کر جام شہادت نوش کر لیا۔ مگر بھوک و پیاس سے جان نہ دی۔ کربلا کی جنگ میں مادی طاقت کے مقابلہ میں امام حسین اور آپ کے ساتھیوں کا صبر و استقلال ہمیشہ یادگار رہے گا تیروں کی بارش میں۔ تلواروں کی دھاروں پر۔ سینہ تان کر حسینی مقابلہ کرتے رہے حق کی حمایت میں اور باطل کی اخلاقی شکست میں صبح سے شام تک کربلا کی جنگ میں امام حسین اور آپ کے ساتھیوں نے ثبات قدمی کی جو مثالیں پیش کیں۔ دنیا اس کی نظیر نہیں لا سکتی

باطل قوت اور مادی طاقت انتہائی مظالم سے عصر سے پہلے امام حسین کا سر قلم کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ اور مادی طاقت کی طاغوتی حکومت نے یہ خیال کر لیا۔ کہ اب میدان جیت لیا گیا۔ اب فتح و کامرانی کے مظاہروں کی ضرورت ہے

(بقیہ در صفحہ ۱۱۲)

مولانا سید کلب عابد صاحب لکھنوی

حق و باطل میں معرکہ آرائی جاری ہے۔ اور یہ جنگ اس وقت تک باقی رہے گی۔ جب تک امام آخر کی شمشیر آبدار باطل کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر نہ پھینک دے۔ اس مخالفت کی ابتدا شیطان کے جناب آدم کو سجدہ نہ کرنے سے ہوئی۔ جس کے بعد سے کوئی زمانہ ایسا نہیں ملتا جس میں یہ جنگ جاری نہ ہو۔ کبھی باطل کے پرستار قابیل نے ہابیل کو موت کے گھاٹ اتارا۔ کبھی جناب یوسف کو بھائیوں کے ہاتھوں تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں۔ ذکریا پر آرے چلے۔ یحییٰ کا خون ناحق بہا۔ موسیٰ کو شہروں کی خاک چھاننا پڑی۔ ایوب کو مصائب کا شکار ہونا پڑا۔ عیسیٰ کو سولی دی گئی (بقول عیسائیوں کے)۔ غرض ہر علمبردار حق کو مصائب کا شکار ہونا پڑا۔ ہر مصلح کو طاغوتی طاقتوں کے پجاریوں سے جان بچانا دشوار ہو گئی۔ مگر فتح بالآخر حق ہی کو ہوتی رہی۔ ہمیشہ باطل پرست حق کے طرفداروں پر ظلم کر کے تھک گئے۔ لیکن حق کا ہی بول بالا رہا۔

قابیل ہابیل کو قتل کر کے خود پشیمان ہوا۔ برادران یوسف بھائی کے سامنے سجدہ کناں نظر آئے۔ زہر نے سقراط کو موت کی نیند سلا دیا۔ مگر قدرت نے آب حیات کا کام کیا۔ ذکریا کا نام مظلوموں کی فہرست میں نمایاں جگہ پا گیا۔ اور قاتلوں پر آج بھی لعنت ہوتی ہے۔ یحییٰ کے خون ناحق کا جوش اس وقت تک نہ تھما جب تک کہ قوم بنی اسرائیل کے ستر ہزار گلے نہ کٹ گئے۔ موسیٰ ساحل کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔ اور فرعون نے موج عذاب کی آغوش میں جگہ پائی۔ عیسیٰ فلک پر پہنچ گئے۔ یہودیوں کو زمین پر سر چھپانے کی جگہ نہیں ملتی۔ غرض حق و باطل میں ہمیشہ جنگ ہوتی رہی اور باوجود ظاہری شکست کے بھی باطل ہی کو شکست ہوتی رہی۔ چنانچہ ایک ایسا ہی معرکہ کربلا میں پیش آیا جس میں ایک طرف بہتر حق پرست سر بکف۔ اور دوسری طرف باطل کے پجاری ہزاروں کی تعداد میں صف بستہ تھے۔ باطل پرستوں نے دنیاوی قوت و طاقت کے بل بوتے پر انتہائی ظلم و ستم توڑے اور حق کے ماننے والے صبر و استقلال سے تمام مصائب جھیل گئے ناقابل برداشت تکلیفیں برداشت کر گئے۔ مگر جادہ حق سے ایک انچ نہ ہٹے۔

واقعہ کربلا سے پہلے بھی تمام معرکہ حق و صداقت ہی کی راہ میں ہوئے۔ تمام قربانیاں انہیں کے نام پر چڑھائی گئی تھیں۔

لیکن کربلا کے مرنے والے کچھ ایسا معیار قائم کر گئے جس کے سامنے گذشتہ کارنامے ہیچ نظر آتے ہیں۔

جناب آدم کو شیطان کے مقابلے میں یقیناً زبردست کامیابی ہوئی۔ مگر خود ان کے قدم بھی جادہ صبر و رضا سے ڈگمگا گئے۔ اور جنت چھوڑنا پڑی۔

نوح کی کشتی گرداب ہلاکت سے بچ کر ساحل کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔ مخالف غرق بحر فنا ہوئے۔ مگر محبت پدری سے ایسا مغلوب ہوئے۔ کہ آخر قدرت کو جھڑکنا پڑا۔ لیس من اهلك انه عمل غير صالح۔

یوسف بھی ترک اولیٰ کے مرتکب ہوئے۔ جس پر نبوت ان کی نسل سے بھائی کی نسل میں منتقل ہو گئی۔ موسیٰ نے بہت تکلیفیں برداشت

کیں۔ مگر ایک وقت ان کے دل پر بھی خوف و دہشت کی حکمرانی تھی جس پر ندائے قدرت گواہ ہے۔ عیسیٰ کی قربانی یقیناً قابل قدر ہے مگر وہ بھی ایلیا سے فریادی تھے۔ جناب ایوب نے بہت زحمتیں برداشت کیں۔ لیکن زوجہ کے گیسو پر نامحرم کی نظر پڑ جانے سے ان کا بھی پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا۔

ان سب کے مقابلہ میں جب حسین ابن علی کے صبر و استقلال قربانی کی عظمت راضی برضا ہونے کو دیکھا جاتا ہے۔ تو زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہے۔ معرکہ کربلا کے سامنے گذشتہ کارنامے کارنامہ کہنے کے لائق نہیں رہتے۔ وہ آدم تھے کہ قدموں میں لغزش آگئی۔ اور یحییٰ تھے۔ کہ انقلابی زلزلے اکھڑ گئے مگر پائے ثبات میں لغزش نہ ہوئی بقول حضرت شاعر ؎

زلزلے آئیں ہلے عرش خدا ممکن ہے
قلب شبیرؑ لرز جائے یہ ناممکن

موسیٰؑ فرعونیوں کے خوف سے ڈر جائیں۔ حسینؑ کے تو ننھے بچے نے بھی موت کا مسکرا کر استقبال کیا۔ نوحؑ کو بیٹے کی محبت بے چین کر دے۔ مگر حسین کے غلام حرؑ بیٹے کو خاک و خون میں غلطاں دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ عیسیٰ اپنی ذاتی قربانی پر خدا سے تردید کرنے لگیں۔ موت کو دیکھ کر پریشان ہو جائیں۔ جیسا انجیل گواہ ہے۔ پھر وہ سخت پریشانی میں مبتلا ہو کر اور بھی دلسوزی سے دعا مانگنے لگا۔ اور اس کا پسینہ گویا خون کی بڑی بڑی بوند ہو کر زمین پر گرنے لگا لوقا $\frac{22}{45}$ نہایت حیران اور پریشان ہونے لگا۔ اور اس نے کہا۔ میری جان بہت غمگین ہے۔

یسوع کی آخری دعا۔ اور وہ تھوڑا آگے بڑھا۔ اور زمین پر گر کر دعا مانگنے لگا۔ کہ اگر ہو سکے۔ تو یہ گھڑی مجھ سے ٹل جائے اور کہا۔ کہ اے باپ تجھ سے سب کچھ ہو سکتا ہے۔ اس بلا کو مجھ سے

یہ کام سنبھالا نہ کسی حق کے ولی نے
اسلام کو اسلام کیا سبط نبی نے
اس شان سے دی جان شہ دین نے عزیز
سر رکھ دیا قدموں پہ حیات ابدی نے

ہٹالے مرقس $\frac{14}{36}$

اس کے مقابلہ میں امام حسین ہر مقام پر فرماتے جاتے تھے۔ جوں جوں وقت شہادت نزدیک ہوتا جاتا تھا چہرہ مبارک پر خون و دوڑتا جاتا تھا۔ گھر بھر کو لٹا کر بھی شکر خدا کے سوا کوئی کلمہ شکایت دہن مبارک سے نہ نکلا۔

ہر استاد کا امتحان اس کے شاگرد سے لیا جا سکتا ہے اگر اس نظریہ کے ماتحت ہم حسین اور عیسیٰ کا مقابلہ کریں۔ تو ادھر خود مسیح اپنے بارہ حواریں سے کہتے نظر آئیں گے۔

جب شام ہوئی۔ تو وہ بارہ شاگردوں کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھا۔ اور جب وہ کھا رہے تھے۔ تو اس نے کہا۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں۔ کہ تم میں سے ایک مجھے پکڑ وائے گا اس وقت یسوع نے کہا۔ تم سب میری بابت ٹھوکر یں کھاؤ گے۔

چنانچہ یہودا نے جو ان بارہ میں سے ایک تھا۔ اسے آکر خود گرفتار کرا یا۔ جب یسوع گرفتار ہوا تو سارے شاگرد چھوڑ کر اُسے بھاگ گئے۔ متی باب نمبر ۲۶

مگر ایک نوجوان جو اپنے بدن پر مہین چادر اوڑھے تھا۔ اس کے ساتھ ہو لیا۔ مگر جب اسے لوگوں نے پکڑا۔ تو وہ چادر چھوڑ کے ننگا بھاگا۔ مرقس $\frac{14}{52}$۔ اپنے پطرس حواری سے کہا۔ کہ تو مرغ کے دوبار اذان دینے سے پہلے تین بار میرا انکار کریگا۔ $\frac{14}{72}$ پطرس لعنت کرنے اور قسم کھانے لگا۔ کہ میں یسوع کو نہیں جانتا۔

یہ ہیں اصحاب عیسیٰ جن کے متعلق خود جناب عیسیٰ گواہی دے رہے ہیں۔ کہ تم سب ٹھوکر کھاؤ گے۔ انہیں میں سے ایک خوف جان سے لعنت پر آمادہ ہو گیا۔ انہیں بارہ حواریوں

جو یسوع کی تمام عمر کی محنت کا نتیجہ تھے۔ ایک یہودا بھی نکلا جس نے مخبری کر کے مسیح کو گرفتار کرایا۔ اور جسکو قتل مسیح کا سب سے زیادہ ذمہ وار قرار دیا جا سکتا ہے۔

مگر حسین کے بہتر ساتھیوں میں ایک بھی یہودا نہ نکلا۔ حالانکہ ان میں بعض ایسے تھے۔ جن کو امام کی صحبت سے صرف چند دن فیضیاب ہونے کا موقع ملا تھا۔ اور کچھ ایسے بھی تھے۔ جن کو امام کی ہمراہی میں صرف چند گھنٹے ہوئے تھے۔ (جیسے حر یا وہب کلبی) (وہ اولوٹ تھے۔ کہ نوجہ سے گیسو پیغمبر کی نظر پر جلنے سے بے قرار ہو گئے۔ لیکن حسین میدان امتحان میں بہنوں بیٹیوں کے سر کھل جانے پر بھی راضی ہو گئے۔ میری ناموس کا پردہ رہے یا نہ رہے۔ مگر امت کی پردہ پوشی ہو جائے۔

اس ہی لئے ہم معرکہ کربلا کو حق و باطل کا مجاہدہ عظمیٰ اور کربلا کے شہید کو سید الشہدا کا لقب دیتے ہیں۔

اور یہی وجہ تھی۔ کہ تمام دوسری قربانیوں اور شہادتوں کے اثرات محدود رہے۔ لیکن کربلا کی جنگ کے فوائد نا محدود یہاں تک کہ ہم بارگاہ رسالت میں دست بستہ عرض پرداز ہو سکتے ہیں۔ کہ یا رسول اللہ یقیناً آپ نے اسلام کے پھیلانے میں بہت زحمتیں اور تکلیفیں برداشت کیں۔ اور ان کا نتیجہ خاطر خواہ ہوا یعنی اسلام تمام جزیرۃ العرب میں پھیل گیا۔ مگر پھر بھی آپکی کوششوں کے نتائج ایک محدود زمانہ پر ختم ہو گئے تھے اور ادھر رسولؐ کی آنکھ بند ہوئی۔ ادھر اصول و فروع اسلام میں تبدیلی شروع ہو گئی۔ یہانتک کہ باطل کے علمبردار یزید نے اسلام کی ظاہری تصویر کو بھی مٹانا چاہا۔ اور وہ یقیناً اپنے ارادہ میں کامیاب ہو جاتا۔ اگر آپ کے پارہ جگر آپ کی گود کے پلے حسین ابن علی نے اپنی خون سے شجر اسلام کی آبیاری نہ کر دی ہوتی۔

مگر ادھر تو حسین نے زیر خنجر مسکرا کر جان دی۔ اور ادھر اسلام کے قالب مردہ میں روح دوڑ گئی۔

حسین نے اپنی اور اپنے مختصر لشکر کی قربانی دے کر اسلام کو بچا لیا۔ اب حسین کے خون سے سینچا ہوا اسلام غیر فانی ہے۔ قیامت تک کوئی طاقت اس کو مٹا نہیں سکتی۔ مٹانے والے خود مٹ جائیں گے۔ اور اسلام کا باغ لہلہاتا رہے گا۔

اسلام کی فطرت میں قدرت نے حسینؑ کے ہاتھوں وہ لچک دے دی کہ اب

اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے

خط و کتابت کرتے وقت چٹ نمبر کا حوالہ دیں
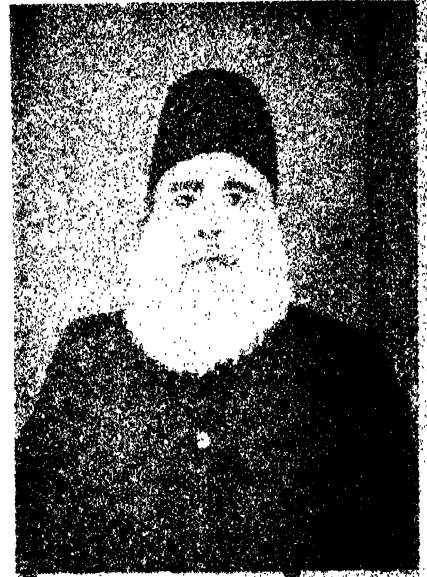
ادیب اعظم جناب مولانا سید ظفرحسن صاحب قبلہ امروہوی

آقائے بیباک ساحلی
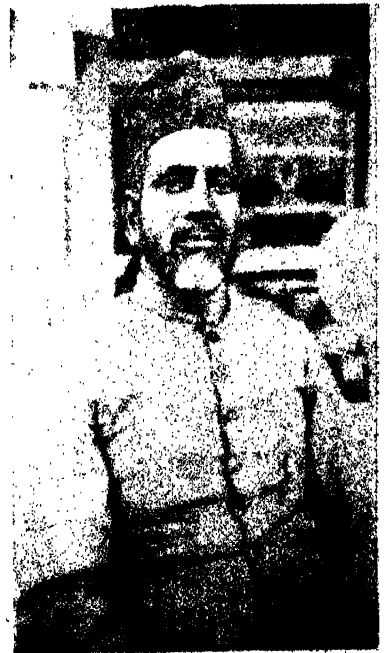
جناب سید غلام عباس صاحب حلمی

جناب مرزا عاشق حسین انصاری سیکریٹری انجمن حیدریہ پشاور

جناب خواجہ تصور علی صاحب جعفر بی اے
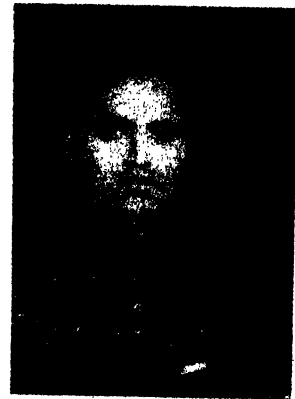
خادم قوم شیخ محمد صدیق بی اے ایڈیٹر رضاکار

مظلوم حسینؑ

سید شہنشاہ حسن صاحب اٹاوی

کربلا میں ظالم و قہار دشمن حسین ابن علی کے خلاف بے باکانہ و دھاندلیانہ اقدامات کر رہا تھا۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کے باپ دادا چند سال پہلے زمانہ رسالت میں اپنی جماعت کی دوستی کا نقارہ بہت زور سے بجا چکے تھے۔ رسول کریم کا محکوم اور زیر دست رہنا ناگوار تھا۔ ان کے تصورات نے اسے اتنی اہمیت دے دی۔ کہ محمدؐ سے بے نیازی برتنا اور اسلام کو ناقابل توجہ سمجھنا اپنا شعار زندگی بنائے ہوئے تھے۔ ابوسفیان اپنے وقار اور نسلی برتری کے نشہ میں محمدؐ کے اصول کا مخالف تھا۔ اور اس کا دماغ محمدؐ کی جائز خواہشوں میں دلچسپی نہ لیتا تھا۔ محمدؐ کی آواز کو لغو اور بے جا سمجھتا تھا۔ جو اپنی زنجیروں کو ٹوٹتا ہوا دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کے سامنے صرف اپنے مفاد تھے۔ یہ تالاب کے اس مینڈک کی طرح زندگی بسر کرتا تھا۔ جو صرف اپنے تالاب ہی کو سب کچھ سمجھتا ہے۔ اور اس کے حدود سے باہر کے مسائل اس کے لئے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے۔ یہی مصلحت کے تحت یہ طریقہ کار اختیار کیا تھا۔ ورنہ حقیقتاً محمدؐ کے مطالبے صاف اور مفاد سب کے سامنے ہیں۔ محمدؐ کے مطالبات انسانوں کے جائز مطالبات ہیں۔ جو تہذیب کے بلند سے بلند معیار پر پورے اترتے ہیں۔ کفار قریش اور ابوسفیان کے گروہ نے محمدؐ کے خلاف بغض و عناد کا مسلسل اظہار کرتے رہنا اپنا مقصد بنا لیا تھا۔ رسولؐ کے خلاف انتہائی قابل اعتراض و لائق مواخذہ محاذ بہت وسیع پیمانے پر شروع کر دیا تھا۔ حضرتؐ کی شان میں انتہائی گستاخیاں کیں۔ اور احساسات کو پامال کرنے کی بھرپور کوشش کی محمدؐ کی شان میں باعث توہین اور سوقیانہ تخیلات اور فریب آمیز بازاری لب و لہجہ جو انہوں نے اختیار کیا۔ اور آپ کو ناکامیاب کرنے کی سعی نامشکور کی۔ اور آپؐ پر شرمناک حملے ابوسفیان کے لئے جائز اور زیبا نہ تھے۔ اس کا معیار زندگی بہت پست و ذلیل تھا۔ اپنی اکثریت اور طاقت کے زعم میں جو کچھ کر رہا تھا۔ اس نے رسالتؐ کو زبردست نقصان پہنچایا مصیبتوں اور ہلاکتوں کا خوفناک سلسلہ [illegible] کی ذہنیت کے تحت پرورش پا رہا تھا محمدؐ سے بیگانہ زندگی کا [illegible] پیدا کر کے اسلام کے خلاف محاذ بنایا تھا [illegible] قلب [illegible] کے خلاف پیش کئے گئے۔ [illegible] تھا جو اس کی ولولہ انگیز آمریت کے جال تدبر کا جال [illegible] کو ہضم کرنے کی فکر میں تھا۔ اس کی ہر سانس میں زہر ملا تھا۔ محمدؐ کی اچھی نصیحت بھی اپنے اغراض کے تحت بری سمجھ رہا تھا۔ جہالت و ذہنیت پرستی کے عمیق غار میں سرگرداں تھا۔ اس کی عادت [illegible] جنگجویوں کی ہنگامہ زا تھی۔ ابوسفیان کے تنظیم و سیلاب جو محمدؐ کے خلاف اٹھے تھے۔ اور دشمن اسلام نے یہ سمجھا تھا۔ کہ طاقت اس فتح کا ہتھیار ہے۔ اور اس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ لیکن جب جانباز مجاہدوں نے روک دیئے۔ بدر پہ یا اور علیؑ [illegible] ان کے لئے عرصہ حیات تنگ کر دیا۔ اور معرکہ [illegible] ابوسفیان کو شکستیں اور بری طرح نیچا دیکھنا پڑا۔ ابوسفیان کا سب سے بڑا [illegible] تھا۔ جس کی حوصلہ افزا طاقت محمدؐ کی فتح کے راستے کو معین کر رہی تھی۔ محمدؐ کی کامیابیاں ابوسفیان کی نگاہ میں اہم تھیں۔ فتح مکہ نے ایسے بتا دیا کہ محمدؐ کی آواز بھی اپنے اندر ایک طاقت رکھتی ہے۔ ابوسفیان کی تحریک ہر قدم پر رسالت سے ٹکرائی تھی۔ اس کی رفتار کو جس چیز نے سب سے زیادہ کمزور کیا۔ وہ علیؑ تھے۔ زمانہ رسالت میں ابوسفیان کی تحریک فیل ہو گئی۔ مگر اس کی اولاد میں حقارت کی کونپلیں پھوٹتی رہیں۔ جو ابوسفیان کے سائے میں پروان چڑھ رہی تھیں۔ معاویہ اور یزید اسلام کی عظمت کو مٹا کر ادھر چلے۔ جہاں ان کی نفسانی زندگی اپنا راستہ ہموار کر رہی تھی۔ باپ دادا کا مقصد نظر سے اوجھل نہیں ہوا تھا۔ ان کے حسابات نفسانی

تھے۔ اور ان کے حامیوں نے ان کے قدیم نظریہ کو ترک نہیں کیا تھا
تنظیم کا سودائیاں حکمت عملی اور پالیسی ایک دوسرے سے پوری طرح لاتعلق
رکھتی تھی۔ یہ اسی راستے پر چل رہے ہیں۔ جن پر کہ ان کے پیشرو چلتے
رہے ہیں۔ ان کا دل اور ان کی انقلابی تعلیم رسالت کا ساتھ نہیں دے
سکتی تھی۔ ان میں رجعت پسندی کی قوتیں بھی تمام اپنے [illegible] کا مات پر
بھی ہوتی تھیں۔ قدامت پرستی ان کا جز بن چکی تھی۔ یہ اپنے عیب رجعت
اور قدامت کے پردے میں محاسن قرار دے رہے تھے۔ ان کے
خیالات اور زندگی کے نظریات اتنے زیادہ اور اس قدر منتشر ہو چکے
تھے۔ جو صرف اپنے فائدے کے لئے اسلام کے [illegible]
اپنی تحریکوں کو اسلام کی آڑ میں چلا رہے تھے [illegible]
کی تحریک کو زیادہ تیز اور قومی بنایا عروج اقتدار [illegible] کا نشہ پھر
شروع ہو گیا۔ بنی امیہ اپنے زمانے کے ساتھ [illegible] ہوتے۔ جب ان کا
تمدن پرست فساد برپا کرتا۔ اور اپنے سے کمزور [illegible] کو فریب کاری کے
ساتھ ختم کرتے۔ ان میں سے یہ دشمن اپنی قوم کے سوا ہر ایک کو حقارت
کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اپنے غیر انسانی طرز عمل سے محمدؐ کے [illegible]
کو موت کی نیند سلا رہے تھے۔ ان کی سیاست کے اتار چڑھاؤ کا صرف مقصد
ایک گونا تو محمدؐ سے حسن ظن تھا۔ اور دوسری طرف وہ اپنے سے کوئی
اونچی جگہیں دیکھتے تھے۔ ان کے [illegible] خواہ تھا کہ وہ آل محمدؐ کی طرف
تعاون کا ہاتھ پھیلائیں۔ اس نے مخالفت کی بنیاد ڈالی گئی تھی۔ ابوسفیان
اور معاویہ نے محمدؐ اور آل محمدؐ کی طرف سے موڑ دیا تھا۔ رسالت کا نصب
العین بھلا دیا گیا۔ اپنی دنیا بنانے کا راگ برابر گاتے رہے۔ اسلام
کو خاک میں ملا دیا۔ بے شمار نقصان پہنچایا۔ ان کی وجہ سے جھگڑے اور
رقابتیں پیدا ہوئیں۔ اپنے منصوبے بروئے عمل لاتے۔ اور رفتہ رفتہ کاری
کے ساتھ تعلیم محمدؐ کو ختم کرنا شروع کیا۔ اسلام ان وحشیوں کے ہاتھوں ختم
ہیں ہے جو اپنی برتری کے زعم میں کسی اصول کو ماننے کے لئے تیار نہیں
ہیں۔ اس ذہنی انفعال کی بدولت یزید [illegible] نزدیکی چاہتا تھا انسانی
زندگی کے کمزور اور غیر متوازی خطرات یزید کی پالیسی کی تشہیر کر رہے
تھے۔ ابن زیاد عمر ابن سعد شمر یزید کے اس خیال کو بہت تقویت
پہنچا رہے تھے۔ یزید کے نظام حکومت نے یزید کے فرمان کے ساتھ
[illegible] دلوں میں زبردست جذبہ مقاومت پیدا کر دیا تھا۔ یزید کے مدبرین
نے صورت حال کو خراب ہونے دیا۔ ان میں اخلاق کا نام نہیں تھا۔ جو اپنے
کردار کو کسی اچھے سانچے میں ڈھال سکتے۔ ان کی زندگی کی تعمیر اور تہذیب
گری ہوئی تھی۔ ان کی غلط چال سے اسلام پر آفت آئی۔ اور اپنے مزے
کے لئے دین کو مصیبت کا شکار بنا رہے تھے۔ وہ ہرگز ایسے نہیں جن سے
کوئی مہذب انسان اتفاق کر سکے۔ انہوں نے کربلا میں خوب ہاتھ پاؤں
نکالے حسینؑ نے [illegible] کو تنبیہوں اور بزرگانہ نصیحتوں سے دور
رکھنے کی کوشش [illegible] رکھی۔ یزید کے عہد میں اسلام جس حالت کو پہنچ
گیا [illegible] یزید اور اس کے رفقا کا طرز عمل
[illegible] اور اسلام کے لئے تباہ کن تھا۔ حسینؑ اس کو ایک
[illegible] نہیں دیکھ سکتے تھے۔ حسینؑ نے اپنی ذہانت و ذکاوت کا
[illegible] دنیا دنگ رہ گئی۔ حسینؑ کا مقصد کربلا میں تھا۔
محمدؐ کی تعلیم کی اعلیٰ قدروں کو محفوظ رکھا جائے۔ اور اسلام کو باقی رکھنے
کا سامان [illegible] میں اسلام کے مستقبل کے لئے جدو
جہد کر رہے تھے۔ آزادی کے بنیادی اصول رگ و پے میں سرایت کئے
ہوئے تھے۔ حسینؑ [illegible] کے نقطہ نظر سے آگاہ تھے۔ یزید کا بڑھتا
ہوا سیلاب [illegible] میں اسلام پھنسا ہوا تھا۔ اور جس نے
محمدؐ کے اصول ساب کرنے کی کوشش اٹھا نہ رکھی تھی۔ حسینؑ نے
اس کو باقی رکھنے کی غرض سے اس قدیم ترین ذلیل اور حقیر قوم
سے وہ مظالم برداشت کئے جن کی تفصیل سے جسم پر رعشہ طاری ہوتا
ہے۔ محمدؐ و حسینؑ کا ایک ہی نصب العین تھا۔ اور ان کے دل میں ایک
ہی خواہش پرورش پا رہی تھی اسلام باقی رہے۔ اس کو مٹنے سے بچایا جائے۔
حسینؑ رسول کریمؐ کے مدبر جانشین تھے۔ رسولؐ کے مقصد کو کربلا میں زیادہ
سے زیادہ تقویت پہنچا رہے تھے۔ بہادر حسینؑ نے جس بے جگری کے
ساتھ یزید کی فوج سے اسلام کے مفاد کے لئے مقابلہ کیا۔ وہ
بہت اہم تھا۔ اس سلسلے میں حسینؑ کو جانوں کا نقصان اٹھانا پڑا۔ مگر رسالت
کے حقیقی مقصد کو پورا کیا۔ اسلام تباہی اور بربادی کے منہ میں تھا۔
حسینؑ کی جانبازانہ مدبرانہ اسلام کا موقف پہلے سے زیادہ مستحکم کر دیا۔ اور
محمدؐ کے مقصد میں جس کامل تعاون کا ثبوت حسینؑ نے دیا۔ اسے بھلایا نہیں
جا سکتا جس اسلام کی بنیاد حضرت رسول کریمؐ نے رکھی تھی مظلوم حسینؑ کی بیدار اولوالعزمی نے اسے کربلا میں پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا +

اب امام حسینؑ کے مال کا نقصان دیکھو۔ مخدرات عصمت و طہارت کی پیوند زدہ چادریں نبی کی نواسیوں کے زیور، سامان، سیّد سجادؑ کی گوشوارے بیمار کربلا کا چرمی بستر غرض جو چیز بھی از قسم اسباب دنیوی تھی۔ وہ اشقیائے امت کی دستبرد سے نہ بچ سکی سہ

ہیچ کافر نہ کند آنچہ مسلماں کردند

چوتھی آزمائش۔ ایک سخت امتحان یعنی نقصان جان ذرا کتاب مقاتل اٹھا کر دیکھو۔ حسین ابن علی شعفا کی ایک قلیل اور بے سر و سامان جماعت کے ساتھ ایک خشک اور سلگتے ہوئے میدان میں محصور ہیں۔ اعدا کی کثرت اور ان کے سارو سامان کی فراوانی ان کے بہادروں کو مرعوب کرنے میں کامیاب نہیں ہوتی عشق و محبت الٰہی میں سرشار اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے تنہا اپنی ہی جان نہیں دی۔ بلکہ عزیز و اقارب خادم و رفیق دوست احباب سب کے سب اس کی راہ میں نثار کر دیئے۔ حتیٰ کہ چھ ماہ کا معصوم تیر کھا کر مظلوم کے ہاتھوں پر دم توڑ گیا۔ اور حسینؑ کے صبر کی پیشانی اس طرح خنداں تھی سہ

واللہ کہ لے حسین کا رسے کردی

پانچویں آزمائش پنجتن پاک کی آخری نشانی کی آزمائش کا انتہائی درجہ جسے خداوند عالم نے سب کے آخر میں ذکر فرمایا ہے ظاہر ہے۔ کہ ثمرات سے مراد یہاں اولاد ہے۔ اور یہ وہ ثمر ہے جس کے لئے انسان اپنی جان تک پر کھیل جاتا ہے۔ مگر نمونۂ ایوبؑ صابر و شاکر امام نے اس میوہ کے تلف ہوجانے کی بھی بالکل پرواہ نہ کی۔ وہ نونہال جسے اٹھارہ برس کامل ریاضت کی تھی جس کی بہار دیکھنے کے اب دن آئے تھے۔ نہایت اطمینان اور سکون قلب کے ساتھ تلواروں کی چھاؤں میں بھیج دیا خلیل خدا کا فرزند وادیٔ منیٰ سے صحیح و سلامت لوٹا مگر افسوس خلیل کربلا کا لخت جگر باپ کے سامنے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون :- افسوس! جس قوم میں حسینی روایات ہوں جس قوم کا امام اس قسم کی زندگی چھوڑ گیا ہو۔ وہ قوم آج خودداری استقامت جوش ملت اور غیرت قومی سے اسقدر اجنبی اور ناآشنا ہو مسلمانو! یاد رکھو۔ اسوۂ حسینی کی پیروی کے اندر ہماری زندگی کا راز مضمر ہے آؤ آج پھر کربلا والوں کی یاد میں صف ماتم بچھائیں۔ اور اپنے عمل سے اس واقعہ کی یاد کو تازہ کریں۔ وما علینا الا البلاغ ؛

بقیہ صفحہ ۸ - مجلس کا حصہ عمل کی تکمیل کے بعد تقسیم کرتے ہیں حکمت یہ ہے۔ کہ اگر کوئی تنگ خیال مجلس میں شریک ہوئے بغیر بزم غم سے اٹھ جائے۔ تو اس کو حصہ کا خیال روکے رہے۔ اور ممکن ہے۔ کہ اس عرصہ میں کوئی کلمہ خیر و اعتقاد کا اس کی کسی غلط فہمی کو رفع کر دے۔ اور صراط مستقیم پر آجائے۔ دوسری حکمت یہ ہے۔ کہ اگر وہ حصہ منقول ہے تو اپنے عیال تک منتقل ہو سکتا ہے۔ اسلامی آئین سے یہ امر مستحب ہے۔ کہ جب گھر میں جاؤ۔ تو عیال کیلئے تحفے لے جاؤ۔ اس صورت میں مجلس کی افادیت ذات سامع سے متجاوز کر کے آگے بڑھتی ہے۔ جسطرح روزہ نماز ایسی عبادتیں ہر فقیر اور غنی کے لئے ہیں۔ اور برابر سے واجب ہیں اسی طرح مجلس کا حصہ اگر کسی خاص شان کا مقرر کر دیا جائے۔ تو مجلس ایک محدود ہوجاتی ہے۔ اور نادار لوگ، محتاج طبقہ اس شرف سے محروم رہتا ہے۔ اسلئے کم سے کم تقسیم مجلس کی بانی ہے۔ اس کا مستمسک خود سید الشہدا روحی فداہ کی وصیت ہے۔ جو بعد شہادت گھوڑے پر یزید سے بتیمہ حسینؑ نے سنی اور آپ نے فرمایا **شیعتی ما ان شربتم ماء عذب فاذکرونی** میرے شیعو جب بھی تم آب شیریں پیو میری پیاس ضرور یاد کر لینا۔ (رزمنامہ لقمہ حسینیہ) عرب میں چونکہ دو طرح کے پانی ہوا کرتے ہیں اسلئے امام نے "ماء عذب" کی لفظ استعمال کی ہے۔ اس کے معنی یہ نہیں ہیں۔ کہ ٹھنڈا پانی "عذب" غیر شور پانی کو کہتے ہیں۔ اور "ماء عذب" کی تحت میں جا، کی تقسیم یعنی وصیت پر عمل پیرا کرتی ہے۔ اگر آب سرد کی وصیت ہوتی تو چاو کا رواج اس قید سے باہر تھا۔

ذاکر کا حصہ دوسرا ہونا چاہیئے۔ کہ اس کی خدمات زیادہ ہیں۔ ذاکر اور سامع میں دیا ہی فرق ہے جیسا کہ میدان جہاد کے سوار اور پیادہ سپاہی میں۔ اصول جنگ کو دیکھو تو اپنی جگہ ثابت ہے کہ سوار کو مال غنیمت میں دوہرا حصہ ملتا ہے۔ اور پیادہ کو اکہرا یہی اصول مجلس ہے۔ کہ ذاکر کو المضاعف اس کی بنیاد کس نے قائم کی۔ اس کا ثبوت استطرادی شیعی نقطہ نظر سے تو اسی قدر تھا۔ مگر سواد اعظم کے حقیقت نواز مولف فاضل خالص پوری "تعزیت حسینؑ" میں کہتے ہیں کہ سیدنا امام رضا علیہ الاف التحیۃ والثنا نے جس مجلس میں دعبل خزاعی کو مرثیہ کا حکم دیا تھا۔ اسمیں پانی نے مجلس میں طعام تقسیم فرمائے۔ اور دعبل کا دوہرا حصہ دیا۔

مجلس کا حصہ

آغا مہدی رضوی

اساس مذہب شیعہ مجلس حسین سے مستحکم ہوتی ہے۔ اور تحفظ دین وملت کی ذمہ داری عزاداری پر موقوف ہے۔ جس سے ہر سال ملت مصطفویہ میں ایک نئی روح دوڑ جاتی ہے۔ سچ ہے ؎

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

مجلس چند اہل ایمان کے یکجا جمع ہونے کا نام ہے۔ اور اس جلسہ کا کورم ایک ذاکر اور ایک سامع سے پورا ہوتا ہے۔ بلکہ خود ذاکر اور خود سامع ہو کر بھی ایک تنہا انسان اس شرف کو حاصل کر سکتا ہے پہلی مجلس کب ہوئی۔ ہمیں اس کا علم نہیں۔ تذکرہ کی ابتدا خود خداوند عالم کی طرف سے ملائکہ کے روبرو ہوئی۔ انبیاء کے سامنے مصائب بیان کئے گئے۔ اور اجر وثواب کا وعدہ کیا گیا۔ جس کو ہم اپنی اصطلاح میں حصہ کہہ سکتے ہیں۔ اس حصہ کی مختلف نوعیت قرار دی گئی۔ کبھی رونے والے کو آخرت میں زندہ دل محشور کرنے کا وعدہ کیا۔ کبھی پیغمبر کے محبین میں شمار کیا۔ یہ مزد ایک غیر محسوس شئی تھی جس پر اکتفا کرتے ہوئے عوام کے لئے حصہ کی تجویز کی۔ خدمت کے بعد مزد دیئے جانے کی بنیاد سب سے پہلے رسول عربی نے قائم کی۔ اور رزم وبزم میں کام کرنے والوں کو ممنون احسان بنایا جس طرح قرآن مجید اجمالی اشارہ کرتا ہے۔ اسی طرح رسول نے بھی اپنی زندگی میں مختصر سے مختصر انداز سے ہدایت کے پہلو بتائے اور تفصیلات کا ہم کو حق دیا۔

حصہ کی دو صورتیں ہیں۔ مجلس سے پہلے اور مجلس کے بعد ان دونوں صورتوں کا ثبوت آنحضرت کی قابل تقلید زندگی میں موجود ہے۔ پہلے ہم حصہ کی افادیت پر تبصرہ کرتے ہیں۔ اور دیکھنا یہ ہے۔ کہ حصہ کی ضرورت کیوں محسوس ہوتی۔

(۱) حصہ فلسفہ تعاون کا مظاہرہ ہے۔ اور اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں کہ بنی نوع انسان میں ایک دوسرے کو مدد پہنچائے۔ حضور انکار صوم میں نصف دانہ خرما سے روزہ کھلوانے والے عظیم اجر کے مستحق ہوتے ہیں۔ اسی طرح کم سے کم حصہ بھی ہمدردی ومواسات ایثار کا ایک ثبوت ہے۔

(۲) وہ غیر شیعہ جنکو ہم سے منافرت ہے۔ وہ اگر ہماری پرخلوص دعوت پر مجلس میں آنا چاہیں۔ تو امکان ہے۔ کہ حصہ کی طمع میں شریک مجلس ہو کر شاہراہ ہدایت پر آجائیں۔ اور ان کے کشت دل پر سحاب ایمان سے آبیاری ہو۔ (۳) حصہ کی تقسیم سے تجارت کو فائدہ پہنچاتی ہے۔ اور وہ سامان خورد ونوش جو مجلس میں مومنین کے پیش کش کیا جاتا ہے۔ ہماری اقتصادی حالت کو آگے بڑھاتا ہے۔

یہ منافع تو نفس الامر میں ہے۔ ایک ہی اہمیت حصہ مجلس سے پہلے تقسیم میں حکمت یہ ہے۔ کہ جو لوگ شریک مجلس ہوں ان کو وقتی طور پر مدد پہنچا کر سکون خاطر کے ساتھ تذکرہ اہلبیت سننے کا موقع ہے اور جتنی دیر وہ مجلس میں بیٹھیں۔ بھوک وپیاس سے ان کے حضور قلب میں فرق نہ آوے۔ اور دلجمعی سے سامعہ کو حاضر رکھ کے مستفید ہوں۔ بعثت مبشرہ میں تین روز تک اطعام اس کا ثبوت ہے پیغمبر خدا نے آیہ وانذر عشیرتک الاقربین کے نازل ہونے پر دسترخوان اس لئے بچھایا۔ کہ قریش سمٹ آئیں۔ اور ان کو آپ اپنی رسالت سے آگاہ کریں۔ اس حکمت عملی کا اثر بھی ہوا۔ اور دوسرے دن رسول نمکخواروں کے اس مجمع میں تقریر پر تیار ہوئے اور قریش سر بہ زانو آپ کی گفتگو سنتے رہے۔

اگر بعد مجلس حصہ تقسیم کرو۔ تو مجلس کو جہاد کے مترادف سمجھو۔ اور جس طرح جہاد میں مال غنیمت جنگ ختم ہونے کے بعد تقسیم ہوتا ہے۔ اسی طرح

اعلان

زادِ آخرت کے تمنی حضرات کی خوش قسمتی ہے کہ عربی کی جامع کتاب "العروۃ الوثقیٰ" مصنفہ سرکار حجۃ الاسلام آقا محمد کاظم صاحب طباطبائی اعلی اللہ مقامہٗ معہ حاشیہ جناب حجۃ الاسلام آقا ابوالحسن صاحب اصفہانی مجتہد اعظم جن کی تقلید میں فی زمانہ تمام ہندوستان کے مومنین اور مومنات ہیں۔ اور اس وقت اعلم فی الاعلم جامع اشتراق سے ہیں) کا اردو ترجمہ چھپکر تیار ہے۔ جس کو جناب مولوی نذر محمد صاحب ممتاز الافاضل ناظم دینیات امامیہ یتیم خانہ دہلی نے کیا ہے۔ اور جناب مفتی مولوی سید احمد علی صاحب قبلہ مجتہد العصر لکھنؤ نے حرف بحرف ملاحظہ فرماکر توثیق فرمادی ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جس کا عرصے سے مومنین کو اشتیاق تھا۔ اس کتاب میں جملہ مسائل فقہ متعلق مرد و زن درج ہیں۔ جو کسی اور کتاب میں نہیں ہیں۔ تمام ہندوستان کے ہر مومن کے گھر میں بطور حلیہ اس کتاب کا ہونا اور اس پر عمل کرنا نہایت ضروری ہے۔ اور جنت کی کانجی ہے۔ بالخصوص ایسے دیہات کے واسطے تو نعمت ہے جن کا علماء تک دسترس نہیں ہے۔ نیز مستورات کے واسطے اس میں جملہ وہ مسائل درج ہیں۔ جو وہ اپنی شرم کی وجہ سے اور علماء سے کافی نہ ہونے کی وجہ سے دریافت کرنے سے قاصر ہیں اور ان مسائل کی معلومات نہ ہونے کی وجہ سے ان کا نماز روزہ ناقص ہے۔ اور ان انگریزی خواندہ حضرات کے لئے قابل دید ہے۔ جو یا تو مسئلہ تقلید کے قائل نہیں ہیں۔ یا غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ اور اس وجہ سے وہ اپنی زندگی برباد کر رہے ہیں۔ یہ بہترین دینی تحفہ آپ کی خدمت میں حاضر ہے جہاں آپ سینکڑوں روپیہ دنیا کے کاموں میں صرف کرسکتے ہیں۔ وہاں قلیل رقم میں اس کتاب کو خرید کر بڑی فائدہ اٹھائیں۔ اور زادِ آخرت کی طرف اگر دنیا میں آپ نے توجہ نہیں کی۔ تو یقین جانئے۔ کہ بعد مرگ پچھتانا پڑیگا۔ اور اسوقت پچھتانا [illegible] ہوگا۔ اور خوابِ غفلت سے چونکئے۔ اور اس کتاب کو پڑھکر اس کو ذریعہ نجات بنائیے۔ دوران جنگ میں اس کتاب کو شائع کرنے سے [illegible] خدمت مطلوب ہے تجارت مقصود نہیں ہے اسی وجہ سے قیمت بہت کم رکھی گئی ہے تاکہ ہر امیر و غریب اس سے فائدہ اٹھا سکے۔ [illegible] مندرجہ ذیل پتہ سے طلب کیجئے۔ حجم ۸۰۰ صفحے قیمت صرف دو روپیہ آٹھ آنے۔ قسم اول۔ دو روپے قسم دوم علاوہ محصول ڈاک

ملنے کا پتہ

(۱) آنریری جنرل سکریٹری امامیہ یتیم خانہ ہملٹن روڈ دہلی (۲) مینیجر نذیر پرنٹنگ پریس ہال بازار امرتسر

سوز، سلام، مراثی و درد انگیز نوحوں کی نئی کتابیں

جملہ عزاداران امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں التماس ہے۔ کہ ہم نے کئی سال کی محنت اور کد و کاوش کے بعد سوز، سلام، مراثی اور طرز جدید کے دلخراش نوحوں کی کتابیں شائع کی ہیں۔ یہ وہی منتخب و لاجواب کتابیں ہیں۔ جن کے واسطے مومنین عرصہ سے منتظر تھے۔ اور قیمتیں اسقدر کم رکھی ہیں۔ کہ غریب سے غریب حضرات بھی ان کو باسانی خرید سکتے ہیں۔ آپ ان کتابوں کو خود بھی خرید فرمائیں۔ اور دیگر مومنین کو خریداری کی طرف توجہ دلاکر ثواب دارین حاصل کریں۔ یہ کتابیں مخدرات عصمت کے تعلیم یافتہ طبقہ میں بھی بے حد پسند کی گئی ہیں۔ ہندوستان کے ہر گوشہ سے برابر فرمائشیں چلی آتی ہیں۔

محرم اور اربعین میں زنانی اور مردانی مجالس میں پڑھنے کے واسطے اس سے بہتر ذخیرہ آپ کو نہیں مل سکتا۔

عظیم الشان رعایت۔ یکم محرم سے ۳۰ محرم تک ۳ فی روپیہ رعایت۔ منگانے میں جلدی کیجئے۔ بہت تھوڑی جلدیں باقی ہیں

اشک خونیں

طرز جدید کے ماتمی نوحوں کی بے نظیر بیاض ہے جسکی طباعت کیلئے عرصہ سے بیحد اصرار کیا جاتا تھا اس بیاض میں نہایت میٹھی و دلخراش ۵۵ نوحے درج ہیں۔ یہ بیاض عورتوں میں بیحد مقبولیت اور شہرت حاصل کرچکی ہے۔ قیمت ۴ر

معراج ماتم

محرم اور چہلم کے ماتمی جلوسوں میں پڑھنے کیلئے ۵ے نوحے درج ہیں۔ ہر ایک نوحہ تبلیغی رنگ میں ڈوبا ہوا ہے ہر ایک مصرعہ رقت آمیز اور پڑھنے اور سننے والے کے قلب میں نوک پیکاں بنکر اتر جاتا ہے قیمت صرف ۵ر

نقوش غم

متعدد ماتمی دستوں کے بے مثل اور چیدہ نوحے درج ہیں جن کا ایک ایک شعر سوز و گداز سے بھرا ہوا ہے۔ قیمت ۲ر

گلدستۂ مدحت

یہ سلاموں کا بے نظیر اور لاجواب مجموعہ ہے۔ نہایت چیدہ و منتخب سلام اسمیں درج کئے گئے ہیں قیمت صرف ۲ر

سوز رباب

مصنفہ ام رباب صاحبہ نہایت میٹھی اور رقت خیز نوحے ہیں۔ نسائی زبان ہونے کی وجہ سے مخدرات عصمت و طہارت کے حالات حسن الم انگیز انداز میں بیان کئے گئے ہیں۔ قابل دید ہیں۔ تاریخ دار نوحے درج ہیں قیمت ۸ر

معراج سخن

یہ وہ بینظیر سلاموں کا مجموعہ ہے جسکی عرصہ سے مومنین کو خواہش تھی۔ اس مجموعہ میں ہندوستان کے جدید و قدیم مشہور و معروف مستند و نامی گرامی شعرائے منتخب سلام درج ہیں۔ یہ کتاب جملہ سلاموں کی کتب کی سرتاج ہے نہایت کاوش اور جستجو کے بعد یہ لاجواب انتخاب پیش کیا جا رہا ہے اس مجموعہ میں ۱۲۵ نہایت مدحیہ و سینہ و رزمیہ سلام درج ہیں۔ قیمت صرف ۸ر

پیکان ستم

سوز خوانی کے سولہ نایاب و بہترین مرثیوں کا ذخیرہ جسکا ایک ایک مصرعہ نشتر بنکے قلب میں اتر جاتا ہے۔ قیمت صرف ۸ر

سوز خوانی و تحت اللفظ خوانی کے جدید و رقت خیز مراثی کی کتابیں

سوز غم

تحت اللفظ خوانی کے مخصوص پانچ مرثیے اور پانچ سلام صرف ان شوقین بچوں اور نوجوانوں کیلئے اس مختصر رسالہ میں درج کئے گئے ہیں۔ جو شروع میں مبتدی اور بعدہ منبر کے بڑے ذاکر بنکر مداحان شہدائے کربلا کی فہرست میں اپنا نام درج کرانا چاہتے ہیں۔ قیمت صرف ۳ر

ہجوم غم

سوز خوانی کے بتیس اچھوتے، دلخراش و گریہ خیز مرثیوں کا بے نظیر مجموعہ ہے۔ ایک ایک مصرعہ اعلیٰ درجہ کا رقت خیز اور جگر خراش۔ کریم اللہ نے لکھائی چھپائی دیدہ زیب قیمت صرف ۱۰ر

جہاد اکبر عرف ہمشکل نبی

بعد شہادت جناب عباس علمدار حضرت علی اکبر کا جناب امام حسین سے اذن جہاد پر اصرار کرنا۔ امام کا انکار فرمانا۔ جناب زینب کے ذریعہ سفارش کیلئے سر جھکانا۔ ماں کا علی اکبر کو دولہا بنا کر سہرے در کی شادی کے لباس میں سجا کر میدان کارزار میں بھیجنا پیارا نثر میں ہے قیمت صرف ۲ر

جملہ کتابیں ملنے کا پتہ: رشید حسین منیجر امامیہ بک ایجنسی ڈاکخانہ دیال باغ آگرہ بیرون صدر دروازہ قلعہ صاحب

سلام

نتیجۂ فکر بلند، علامہ آرزو لکھنوی

حشر کے دن عاصیوں کو بخشوانے کیلئے
کربلا میں آئے ہیں شہ گھر لٹانے کیلئے

تا بہ ساحل اب پہنچ جائیگی کشتی نجات
ہیں بہتر ہاتھ شامل کھینچ لانے کیلئے

ساتھ ہے عباس سا بھائی کمر باندھے ہوئے
دو کٹے ہاتھوں سے سارا بوجھ اٹھانے کیلئے

بھیجکر اکبر کو نیزوں میں کھڑے ہیں چپ حسینؑ
غم کی اس برچھی کا گہرا گھاؤ کھانے کیلئے

اس سے بڑھکر اور کیا ہوگی گناہوں کی سپر
آگیا معصوم بچہ تیر کھانے کیلئے

کر لیا پیاسا ہی جانا شہ نے دنیا سے قبول
تشنگی روز محشر سے بچانے کیلئے

ناتواں بیمار نے نعلین تک کردی ہے دور
پا پیادہ شام تک کانٹوں پہ جانے کیلئے

چادریں سیدانیوں نے دیں عصا بیمار نے
بادبانِ کشتیٔ امت بنانے کیلئے

آرزو دامن پہ ہوں اشکِ غم سرور کے داغ
یہ سند کافی ہے بس جنت میں جانے کیلئے

سلام

نتیجۂ فکرِ بلند۔ لسان القوم مولانا صفیؔ۔ لکھنوی!

لگی ہے آگ یہ کن بیکسوں کی بستی میں
گھٹا ہوا ہے دُھواں تنگنائے ہستی میں

ہوا میں ہو نہ سکیں جذبِ تلخ فریادیں
صدائیں گونج رہی ہیں فضائے ہستی میں

بھلا وہ اجرِ رسالت رسولؐ کو دیں گے؟
خدا کو بھول گئے ہیں جو خود پرستی میں

حسینؑ سے وہ ستمگر طلب کرے بیعت
تمام عمر کٹی جس کی مے پرستی میں

گرا ہے گھوڑے سے رن میں سوارِ دوشِ رسولؐ
ہے آسماں کی بلندی زمیں کی پستی میں

سرِ حسینؑ کی منزل ہو زیرِ تختِ یزید
ستارہ عرش کا اللہ اتنی پستی میں

اُتارتے تھے ردائیں سروں سے اہلِ جفا
ستم شریک سنا نیں درازدستی میں

تڑپ کے اُٹھ نہ کھڑے ہوں قتیلِ راہِ وفا
پکارتا ہے کوئی کربلا کی بستی میں

مئے ولا کے شرابی شکستہ حال سہی
خرید لیتے ہیں جنّت کو فاقہ مستی میں

ولائے آلِ محمدؐ نے روح پھونکی ہے
اسی شراب کی گرمی ہے بزمِ ہستی میں

تولّائے آلِ محمدؐ سے باغ باغ ہے دل
مہک رہے ہیں یہی گُل ریاضِ ہستی میں

طعام اُٹھا دیا روزے پہ رکھ لیا روزہ
فراخ حوصلگی تھی یہ تنگدستی میں

میری نظر میں نشیب و فرازِ عالم ہے
بلندیوں پہ کبھی ہوں کبھی ہوں پستی میں

اگر نہ دامنِ دل کھینچتی عزائے حسینؑ
صفیؔ قدم بھی نہ رکھتے حدودِ ہستی میں

شعورِ آزادی

(نتیجہ فکر بلند۔ شاعر اہل بیت حضرت نجم آفندی)

جفا و جور کی تاریخ میں پتا نہ ملا
حسینؑ سا کوئی مظلوم دوسرا نہ ملا

گلے سے تیغ ملی طاعت الٰہی میں
کسی کو سجدۂ بر حق کا یوں مزا نہ ملا

صلواۃ ظہر میں بھی آئے تھے امام پہ تیر
سعید سینہ سپر تھے تو راستا نہ ملا

جہاں مچلتی ہیں اب تک فرات کی موجیں
وہاں حسینؑ کو اک جام آب کا نہ ملا

ستم ہے نہر سے عباس تشنہ لب پلٹے
تڑپ کے موجۂ دریا لبوں سے جا نہ ملا

جہاں میں ختم تھی عباس پر علمداری
کسی کو پھر علم لشکر خدا نہ ملا

لئے ہوئے ہے جو سینہ میں کربلا کی زمیں
کہیں جہاں میں یہ گنجینۂ وفا نہ ملا

دلوں میں ہو گا نہ پیدا شعور آزادی
حسینؑ سے جو ارادت کا سلسلہ نہ ملا

اُسے بھی صبر نے شبیرؑ کے تسلّی دی
زمانہ بھر میں کہیں جس کو آسرا نہ ملا

وہ اپنے غم کے سوا دردِ دل کو کیا سمجھے
وہ اہل درد جسے درس کربلا نہ ملا

ہر اک دیار میں ہے ذکر کربلا اے نجم
وہ کونسی ہے زباں جس میں مرثیا نہ ملا

شہید کربلا کی جنگ آزادی

امام حسینؑ کی زبانِ عمل سے

جناب شمیم کرہانی کی معرکۃ آرا کتاب "شہید کربلا کی جنگ آزادی" کے چند بند ہدیۂ ناظرین ہیں ــــــــ علی حیدر حسینی لکھنؤ

کیا کہیں اہلِ جہاں کون ہیں آدم تھے ہم
رہبرِ خلق، نمائندہ عالم تھے ہم
دینِ آزادیِ آفاق کے پرچم تھے ہم
ناخدا سارے زمانے کے لئے ہم تھے ہم
خود کو آفات کے گرداب میں ڈالا ہم نے
مگر انسان کے بیڑے کو سنبھالا ہم نے

ہم جو سرشارِ عمل بر سرِ میداں آئے
ہر قدم تازہ تر آشوب کے ساماں آئے
کربلا کے کوہ، بلاؤں کے بیاباں آئے
آشیانوں کو اُلٹتے ہوئے طوفاں آئے
آئے گرداب حوادث جو طلاطم بن کر
رہ گئے صبر کے ہونٹوں پہ تبسم بن کر

تیغ سے شغل کئے آگ سے کھیلے پیہم
دشت میں رول دئے فوج کے ریلے پیہم
معرکے خندق و صفین کے جھیلے پیہم
سر کئے جنگ کے میدان اکیلے پیہم
دھاک تھی عرصۂ آفاق میں جراروں کی
دہر کھاتا تھا قسم ہاشمی تلواروں کی

سیلِ آفت سے لڑے، شورِ تباہی سے لڑے
شرکی مستی سے لڑے، زر کی جماہی سے لڑے
نازِ باطل سے لڑے، غرۂ شاہی سے لڑے
دن کی ہلچل سے لڑے، شب کی سیاہی سے لڑے
ظلم کی رات نہ جاتی نہ سویرا ہوتا
ہم نہ ہوتے تو زمانے میں اندھیرا ہوتا

موج کرتے تھے غم و رنج کی بوچھاروں میں
ناؤ کھیتے تھے گرجتے ہوئے منجدھاروں میں
کھولتا تھا جو لہو جنگ کے انگاروں میں
ہم نہاتے تھے برستی ہوئی تلواروں میں
سیل سے اٹھتے تھے، کہسار سے ٹکراتے تھے
پیر کر آگ کے دریا سے نکل جاتے تھے

غیظ میں توڑ کے پھینکے درِ خیبر کتنے
نہ شمشیر کئے مرحب و عنتر کتنے
آ کے قدموں پہ گرے خون بھرے سر کتنے
اپنی ہٹ بھول گئے وقت کے ہٹلر کتنے

دامنِ دہر کے ہر داغ کو دھویا ہم نے
کتنے فرعون کو دریا میں ڈبویا ہم نے

جنگِ حاضر غمِ فانی کے سوا کچھ بھی نہیں　　　گرمیٔ چرب زبانی کے سوا کچھ بھی نہیں
اثر شعلہ فشانی کے سوا کچھ بھی نہیں　　　ہوسِ ملک ستانی کے سوا کچھ بھی نہیں

شر کے باعث نہ متاعِ گزراں کی خاطر
ہم نے کی جنگ نجاتِ دو جہاں کی خاطر

آڑ میں رہ کے نہ کی چوٹ زنانوں کی طرح　　　کاٹے دشمن کے نہ سر لٹ [illegible] یگانوں کی طرح
چھپ کے بندوق چلائی نہ زنانوں کی طرح　　　آئے میدان میں تن تن کے جوانوں کی طرح

توپ سے ہم نے لیا کام نہ طیاروں سے
لی مدد جعفرِ طیار کی تلواروں سے

ناگ کی طرح نہ منہ توپ کے کھولے ہم نے　　　گیس کے زہر سے ڈالے نہ پھپھولے ہم نے
گرز نہ پیکار کے میدان میں تولے ہم نے　　　بیگنہ خلق پہ برسائے نہ گولے ہم نے

عرصۂ جنگ [illegible] میں تھی دولتِ دل [illegible] اپنے
ہم نے بچوں کے [illegible] نہ [illegible]

نصرتِ خلق کی خاطر ہمہ تن گوش رہے　　　[illegible] غمخوارئ [illegible] ہم آغوش رہے
کرم انگیز و عطا پاش و خطا پوش رہے　　　جذبۂ عفو کے فوارۂ سر جوش رہے

موت تا کی تشنہ لبی کو نہ بجھایا پہلے
آپ پیاسے رہے قاتل کو پلایا پہلے

کربلا کا وہ بیاباں وہ یزیدی یلغار　　　شر انگیز وہ لشکر وہ بلا خیز دیار
دھوئیں گلزار سے اٹھتے تھے تو دریا سی غبار　　　تھا دلِ کرب و بلا نار جہنم سے دوچار

پھر بھی ہونٹوں پہ شکایت تھی نہ چپ بیٹھے ہم
پیکرِ حوصلۂ ساقیٔ کوثر تھے ہم

وہ فضا لے تپش و تپ وہ ہوائے غل و شر　　　دل کے ہمراہ دہکتے تھے جوانوں کے جگر
ذرے ذرے سے نمایاں تھے بلا انگیز شرر　　　ہم وہ دریائے تپش [illegible] آشنا ور تھے مگر

دھوپ [illegible] تھی جو تپتے ہوئے ہتھیاروں کی
ڈوب جاتے تھے گھنی چھاؤں میں تلواروں کی

گلشنِ حق کی عجب بادِ بہاری سے تھے ہم　　　جوئے شیریں کی طرح دشت میں جاری تھے ہم
فرقِ باطل کے لئے ضربتِ کاری تھے ہم　　　وہ بہتر تھے کہ دو لاکھ پہ بھاری تھے ہم

یاد ہے دہر کو دسویں کی لڑائی اب تک
ہم وہ بندے ہیں کہ بھولی نہ خدائی اب تک

قلزم خوں کی المناک روانی میں لڑے
غم کے صحراؤں میں لڑے تیغ کے پانی میں لڑے
عہد پیری میں لڑے دورِ جوانی میں لڑے
فاقہ مستی میں لڑے تشنہ دہانی میں لڑے

طنطنے میٹ دئے غرّۂ شدادی کے
ڈنکے بجوا دئے انسان کی آزادی کے

کر دیا شبر نے ہمراہ برادر کو نثار
بنتِ زہرا نے کلیجے مہ و اختر کو نثار
حسنِ زہر چشیدہ کے سمن بر کو نثار
گل سے اصغرؑ کو، ندا، چاند سے اکبر کو نثار

بول انسان کا دنیا میں ہے بالا اب تک
ان شہیدوں کے لہو سے ہے اُجالا اب تک

رنگ عالم کے بدلتے ہوئے دیکھے ہم نے
پھول انگاروں میں ڈھلتے ہوئے دیکھے ہم نے
شعلے خیموں سے نکلتے ہوئے دیکھے ہم نے
آشیاں آگ میں جلتے ہوئے دیکھے ہم نے

جل رہی تھی جو بضاعت بھی تو جل جانے دی
مگر ایمان کے دامن پہ نہ آنچ آنے دی

ذلت و کاہش و آلام کے زنداں میں رہے
گنبدِ گردشِ ایام کے زنداں میں رہے
دشمنِ حریتِ عام کے زنداں میں رہے
خوگرِ صبر و رضا شام کے زنداں میں رہے

زن و فرزند کو پابستۂ بیداد کیا
قید سے نوعِ بشر کو مگر آزاد کیا

(شمس الدین شمیم کرہانی)

رباعیات

اسرار زیدی!

ساقی کے تصرف میں ہے جام ہستی
دیتا ہوں بہر طور پیام ہستی
آ دیکھ اِدھر موت کے سناٹے میں
یوں ہوتی ہے تجدیدِ نظام ہستی

شبیرؑ جو تبلیغ عمل دیتے ہیں
جینے کے لئے ذوق اجل دیتے ہیں
یہ وہ ہیں کہ دُنیا کا تو کہنا کیا ہے
فطرت کے قوانین بدل دیتے ہیں

جانشین سید الشہداء (امام چہارم کے مدحیہ قصیدہ کا آخری حصہ)

عزم جواں

نتیجۂ فکر بلند حضرت رزمؔ ردولوی

تیرے احسان سے حق کی ہوئی مشکل آسان
عظمت کارِ حسینیؑ کا ہوا راز عیاں

تُو نے پڑنے نہ دیا رُخ حقیقت پہ حجاب
چاہتا تھا یہ جہاں حسن شہادت ہو نہاں

کارسازی سے تری رہ گئی اسلام کی بات
حرف حق ورنہ بُھلا بیٹھا تھا ذہن انسان

بیکسی میں وہ کیا کام جو شاہوں سے نہ ہو
ناتوانی پہ تری قوتِ عالم قربان!

تُو نے اس وقت دیا حق کی حمایت کا پیام
جبکہ تھا حق کا تصور بھی دماغوں پہ گراں

ہے ترا کام کہ گرتی ہوئی فطرت اُبھری
ہے ترے قدموں سے اونچا سر نوع انسان

تیرے کردار سے بگڑے ہوئے اخلاق بنے
تیری رفتار سے روشن ہوئی راہِ ایمان

تُو نے جذبات وفا کو دی حیاتِ تازہ
تو نے احساسِ مودت کو دیا عزمِ جوان

شام تک کرب و بلا سے ترے قدموں کی قسم
مٹ نہیں سکتے اُبھارے وہ نقوشِ ایمان

جادہ پیمائی غربت میں ریاضت سے تری
وہ کھِلے پھول کہ جن کو نہیں آشوبِ خزاں

کسمپرسی میں بھی عالم کی بدل دی رفتار
ماننا ہی پڑا برگشتوں کو ترا فرمان

تیرا خطبہ سر دربار تھا اعلان ظفر
تیرا آوازہ حق تھا کہ موذن کی اذان

لاکھ دُنیا نے تیرے حق کو چھپایا لیکن
آگیا نام ترا توڑ کے دل تا بہ زبان!

"عرفانِ کربلا"

نتیجۂ فکر بلند۔ جناب مولانا سید قائم رضا صاحب نسیم۔ امروہوی

الہام صبر معنیِ قرآنِ کربلا — وحیِ ثبات مصحفِ ایمانِ کربلا
حق کا شباب مرگِ جوانانِ کربلا — فطرت بھلا سکے گی نہ احسانِ کربلا
گہوارۂ عمل ہے بیابانِ کربلا

نورِ خلوص شمعِ شبستانِ کربلا — ایمان و معرفت سر و سامانِ کربلا
خاکِ شفا غبارِ پریشانِ کربلا — خونِ وفا خمیرِ بیابانِ کربلا
انسانیت کا فرض ہے عرفانِ کربلا

بچوں کے جوشِ عزم و عمل کی بڑائیاں — بوڑھوں کے ولولے ابدی کامرانیاں
سینوں کے زخم طاقتِ پا کی نشانیاں — اسلام کے شباب کی رنگیں کہانیاں
تاریخ لکھ رہی ہے بعنوانِ کربلا

اک دوپہر میں نظمِ دو عالم بدل دیا — مفہوم و مقصدِ غم و ماتم بدل دیا
باطل کا ہر ارادۂ محکم بدل دیا — معیارِ فطرتِ بنی آدم بدل دیا
اللہ رے سیاستِ سلطانِ کربلا

باطل کی وہ نمود وہ سطوت کہاں گئی — ظالم یزید کی وہ رعونت کہاں گئی
ابنِ زیاد و شمر کی نخوت کہاں گئی — وہ کوفہ و دمشق کی عظمت کہاں گئی
اے نکتہ چیں منزلت و شانِ کربلا

کون و مکاں میں مقصدِ [illegible] کیا — قدرِ وفا میں کعبۂ مہر و وفا ہے کیا
رتبے زمیں پہ جنتِ صبر و رضا ہے کیا — دنیا نے آبِ خاک میں اسکے سوا ہے کیا
موجِ فرات و گردِ بیابانِ کربلا

اے قدرتِ بشر ہمہ تن داغ و درد ہو — اے اشکِ ذوق و شوق کا شعلہ نہ سرد ہو
اے حق پسند راہِ محبت میں گرد ہو — اے کاروانِ عزم و طلب رہ نورد ہو
زادِ سفر ہے خود [illegible] سامانِ کربلا

معجز نما ہیں شاہ کے ماتم کی عظمتیں — اس غم میں ہیں شریک زمانے کی ملتیں
دوہرائی جا رہی ہیں حسینی صداقتیں — جتنی بڑھیں گی فتنۂ باطل کی عظمتیں
نکھرے گا اور خونِ شہیدانِ کربلا

یوں بن گئے تھے حق کی سپر ناصرانِ شاہ — کھاتے تھے جھوم جھوم کے تیغیں بعز و جاہ
لب تھے وفورِ درد میں نا آشنائے آہ — آساں نہیں عطش میں تھی جرأت خدا گواہ
فطرت سے لڑ رہے تھے غریبانِ کربلا

تھا اُقتلوا کا شور یزیدی سپاہ میں — غازی کمر کسے تھے شہادت کی چاہ میں
بنتِ نبی کی روح تھی فریاد و آہ میں — پیاسوں کا بہہ رہا تھا لہو قتل گاہ میں
شاداب ہو رہا تھا گلستانِ کربلا

تا عصر سب حسینؑ کے یاور ہوئے شہید — مسلم کے لال دلبرِ شبیر ہوئے شہید
ٹھنڈا ہوا علم کہ برادر ہوئے شہید — ماں لٹ گئی شبیہِ پیمبر ہوئے شہید
لاشے اٹھا کے رہ گئے مہمانِ کربلا

دریا دلی سے شہ نے کیا حق پہ گھر نثار — قاسم سا شیر عون و محمدؑ سے گلعذار
عباس سا اخی شہِ مرداں کی یادگار — اکبر سا نوجواں علی اصغر سا شیر خوار
سب گل ہوئے چراغِ شبستانِ کربلا

انصارِ شاہ کتنے صداقت پسند تھے — مر کے بھی فدائی شہِ ارجمند تھے
سُن سُن کے استغاثۂ شہ دردمند تھے — "لبیک یا حسینؑ" کے نعرے بلند تھے
کروٹ بدل رہے تھے شہیدانِ کربلا

یہ نینوا شہیدِ محبت کی قتل گاہ — اک کائناتِ صبر و سکوں ہے بشکلِ آہ
قربانیِ حسینؑ کی تاثیرِ بے پناہ — دنیا و دیں میں درسِ عمل ہے خدا گواہ
دونوں جہاں ہیں بستۂ دامانِ کربلا

زنجیر و طوق پہنے ہوئے خلق کا امام — بکھرائے بال عترتِ پیغمبرِ انام
مجروح و خستہ حال و پریشان و تشنہ کام — دیکر جہاں کو مژدۂ آزادیِ دوام
جاتے ہیں قیدِ غم میں اسیرانِ کربلا

یہ انقلابِ دہر یہ نیرنگِ آسماں — بازارِ شام اور محمدؐ کی بیٹیاں
بلووں میں سر کھلے ہوئے مخدومۂ جہاں — عالم کے تاجدار کا سر زینتِ سناں
نیزے پہ سر بلند ہے قرآنِ کربلا

یہ ظلم ہے نسیم زمانے میں یادگار — دُرّے مریضِ آلِ عبا کھائے بار بار
جس کے قدم سے عالمِ امکاں ہو برقرار — تلووں میں اس کے آبلے اور آبلوں میں خار
زنجیرِ غم میں شیرِ نیستانِ کربلا

نتیجہ فکر جناب سید محمد علی نقوی سامانوی۔ ایم اے۔ ایل ایل بی !

یہ حق کو بچانے آتے ہیں   نہ فوج نہ لشکر لاتے ہیں
سب بچے بوڑھے مل جل کر   باطل کو مٹانے آتے ہیں
جس بات پہ یہ سب ڈٹ جائیں   ٹکڑے ہو بدن سر کٹ جائیں
توفیقِ عمل سے حق کے لئے   جان اپنی لڑانے آتے ہیں

ہے ان کو امامت نے چھانٹا   وہ تاجِ شہادت ہے بانٹا
ایمان کی جس کے جلوے سے   یہ جوت جگانے آتے ہیں
ابروؤں پہ پٹی بندھوا کر   تلوار گلے ہیں لٹکا کر
کچھ باپ کے ہاتھوں پر آ کر   گردن کو چھدانے آتے ہیں

حسنے میں وہ سبقت کیا کہنا   گویا ہے شہادت اک گہنا
حق پر مرنا ہے جی رہنا   یہ درس پڑھانے آتے ہیں
وہ کفر کے گھٹنے ٹوٹ گئے   نو ظلم کے چھکے چھوٹ گئے
پھر قصرِ یزیدی بن نہ سکے   اس طرح یہ ڈھانے آتے ہیں

سجدے کرتے تلواروں پر   قرآں پڑھتے سوفاروں پر
اس درد کی سونی دنیا کو   مر مر کے بسانے آتے ہیں
اب نام اُن کا رہ جائے گا   گو خون اِن کا بہہ جائے گا
دیں کی شوریدہ دھرتی کو   زرخیز بنانے آتے ہیں

مہمان کی اب عزت ہو گی   اب بچوں پر شفقت ہو گی
خونِ انسان کی ارزانی   دنیا سے گنوانے آتے ہیں
یہ درد ہیں دل کے رونے کو   آنسو ہیں گنہ کے دھونے کو
خود ظلم شریکِ ماتم ہو   وہ رنگ جمانے آتے ہیں

جو لاش پہ بیٹے کی روتے نہیں   سب کچھ کھو کر کچھ کھوتے نہیں
جو زندہ رکھے گی حشر تلک   وہ موت دکھانے آتے ہیں
ہے خون میں اِنکے حق کی جھلک   اسلام میں جس سے آئی لچک

مت اس کو دباؤ ابھرے گا
یہ رنگ چڑھانے آتے ہیں

دل گردے والے انساں ہیں
تیغیں ماریں آفت ڈھالیں
گو بیکس و مضطر مہماں ہیں
یہ صبر دکھانے آئے ہیں

زخموں سے چمٹ کے رختِ کہن
کہتی ہے سرخ روئی ان کی
چھد کٹ کے بنا ہے خونیں کفن
امت کو بچانے آئے ہیں

اب فکر نہیں ہے کچھ گھر کی!
کٹ کٹ کے کہیں گی خشک رگیں
ہے سجدوں میں نذر رکھی سر کی
ہم بات نبھانے آئے ہیں

توڑا وہ طلسمِ شام و سحر
جو حشر کے دن بھی ہو ظاہر
باطل کی فضا سے ٹکرا کر
وہ صبح دکھانے آئے ہیں

سب عصر کو محفل ختم ہوئی   وہ عشق کی منزل ختم ہوئی
یہ صبر و رضا سے اے نقوی   دنیا کو جگانے آئے ہیں

کربلا میں سبطِ نبیؐ کی آمد

(نتیجۂ فکر حضرت نشتر ہوشیارپوری)

کون آیا ہے یہ طوفان سے ٹکر لینے

کہیں تو ہی تو نہیں روحِ علیؑ جانِ بتولؑ
گرد آلود قبا چاند سے ماتھے پہ غبار
آہ جھلسے ہوئے ویرانے میں توحید کا پھول

چلے آتے ہیں ملائک بھی سلامی دینے

آہ کس شان سے شہزادۂ دین آتا ہے

ہر قدم راہ کی سختی ہی میں کھو کھو جانا
پپڑیاں ہونٹوں پہ آنکھوں میں نمی جسم نڈھال
تجھ سے سیکھے کوئی راضی بہ رضا ہو جانا

تجھ سے پوچھا جو مزا عشق میں دل پاتا ہے

راکبِ دوشِ نبیؐ اور بیابانوں میں

خنجر و تیغ کی چھاؤں میں براہیمؑ کا خواب
تشنہ لب اور جگر بندِ رسولِ مقبول
دھوپ کی سختی کو سہنے کے لئے تازہ گلاب

بجھ گئی چاند کی کیوں شمع نہ ویرانوں میں

اب کبھی بجھ نہیں سکتا ہے چراغِ اسلام

کام وہ کر گیا دنیا میں ترا پاک لہو
تو نے شائستگی وہ کی کہ نظر حیراں ہے
اب بکھرنے کے نہیں دینِ نبیؐ کے گیسو

اب اجڑنے کا نہیں دہر میں باغِ اسلام

مردِ انقلاب

نتیجۂ فکر جناب اسرار زیدی۔ گوڑگانوہ۔

وہ حسینؑ ابنِ علیؑ سرمایۂ لطف و کرم
وہ کہ جس نے توڑ ڈالا یہ طلسمِ کیف و کم

ہاں وہی فخرِ نبوتؐ صاحبِ غیرت حسینؑ
وہ ضعیفی کے بھی عالم میں جواں ہمت حسینؑ

جس کے قدموں پر فدا ہیں عزّ و شانِ زندگی
موت سے چھینا تھا جس نے آستانِ زندگی

وہ کہیں جو رحمتِ کُل نُورِ عرفانی کے ساتھ
اور کہیں شمشیر زن تھا قہرِ یزدانی کے ساتھ

جس کے استقلال پر قربان دو عالم کا وقار
صبر جس کی مصلحت کوشی سے ہے سرمایہ دار

غرق تھا جو معرفت کے بادۂ پُر جوش میں
وہ سپاہی جو پلا تلوار کی آغوش میں

پیاس میں اپنا بہایا خُون پانی کی طرح
جس نے پیری کو نوازا نوجوانی کی طرح

شورشِ رنج و الم دل میں لئے بیٹھا رہا
صبر کی آغوش میں تکیہ کئے بیٹھا رہا

پھونک دی ذرّاتِ بے مقدار میں روحِ عمل
کشتیٔ ایمان بچالی جس نے وہ نوحِ عمل

جس کی پیری پر نچھاور ہے دو عالم کا شباب
وہ سپاہی وہ جراحت پوش مردِ انقلاب

مُردہ قوموں کو پیامِ زندگی دے کر اُٹھا
موت کے بدلے حیاتِ جاوداں لیکر اُٹھا

اے مسلمانو اگر تم پیروِ شبیرؑ ہو !
اے ہوا خواہو جو تم اسلاف کی تصویر ہو

کیا تمہیں خطبے رسولؐ ہاشمی کے یاد ہیں
کیا تمہیں سجدے حسینؑ ابنِ علیؑ کے یاد ہیں

کیا تمہیں تڑپایا اکبرؑ کی جوانی نے کبھی
خون رُلوایا ہے اصغرؑ کی کہانی نے کبھی

ہاں وہ پردہ رحمتِ حق اہلِ غیرت کی حیات
آج وہ پردہ ہی سمجھا جائے ننگِ کائنات

کیا تمہیں آیا کبھی تعمیرِ ملّت کا خیال
انفعال و انفعال و انفعال و انفعال

کہ اُٹھو ساقی بھی ہے مے بھی ہے پیمانے بھی ہیں
شمع گر محفل میں باقی ہے تو پروانے بھی ہیں

دروبن کر اہلِ دُنیا کو دو پیغام حسینؑ
بجلیاں سینوں میں ہوں اور لب پہ ہو نام حسینؑ

ہاتھ پر رکھے ہوئے ہوں سر دلیروں کی طرح
گامزن ہو منزلِ ہستی پہ شیروں کی طرح

پھر پیام صلح و درسِ آشتی لے کر اُٹھو
بزدلوں کو دعوتِ مردانگی دے کر اُٹھو

ورُود

نتیجۂ فکر جناب سید صاحب علی شاہ گردیزی معصوم

اشجارِ دشت اپنی جھکانے لگے جبیں
دریا کی موج موج سے کہتی تھی بس یہیں

آوازِ دُورباش کی دینے لگی زمیں
مخلوق عرش فرش پہ ہونے لگی مکیں

تارے ہوئے ردائے فلک میں سبھی نہاں
محمل سے بنتِ حیدرِ صفدر ہوئیں عیاں

یثرب کے شاہ زادے

از جناب السیّد مقبل حسین سامانوی!

یثرب کے شاہ زادے میرے امام زادے
تجھ سے بلند زادے دنیا کہیں دکھا دے
یثرب کے شاہ زادے
میرے امام زادے

اسلام کی یہ کشتی جو ڈگمگا چلی تھی
ہمت تھی آپ ہی کی لنگر بنے بچا لی!
یثرب کے شاہ زادے
میرے امام زادے

ایثار کیسا دیکھا یا گویا سبق سکھایا
گھر بار سب لٹایا اسلام کو بچایا
یثرب کے شاہ زادے
میرے امام زادے

ایسا کوئی فدائی دیتا نہیں دکھائی
ہمشیر کی کمائی اُمت کے کام آئی
یثرب کے شاہ زادے
میرے امام زادے

محسن نہ تجھ سا پایا پیغام حق جو لایا
اُس کو نہ بس سنایا کر کے عمل دکھایا
یثرب کے شاہ زادے
میرے امام زادے

مقبل کے ہیں یہ نالے
دونوں جہان والے
یثرب کے شاہ زادے

اسلام کے موالی باغ نبیؐ کے مالی
شاہد ہے ڈالی ڈالی بگڑی فضا سنبھالی
یثرب کے شاہ زادے
میرے امام زادے

پیاسے میرے مجاہد طاعت گذار واحد
ہے تیغ شمر شاہد تجھ سا نہ ہوگا زاہد
یثرب کے شاہ زادے
میرے امام زادے

اپنا سر اک اٹھا لی رُخ پر رہی تجالی
گھر بار کر کے خالی! بستی نئی بسا لی
یثرب کے شاہ زادے
میرے امام زادے

ہمت تری تھی عالی جرأت تری نرالی
جب ذوالفقار اُٹھا لی کر دیں صفوف خالی
یثرب کے شاہ زادے
میرے امام زادے

اکبر کی نوجوانی اِک بن گئی کہانی
قسمت کو تھی دکھانی یہ مرگِ ناگہانی
یثرب کے شاہ زادے
میرے امام زادے

اے فاطمہ کے پالے
اب کربلا بُلا لے
میرے امام زادے

قیمتوں میں خاص رعایت صرف ۳۰ محرم الحرام تک

امامیہ کتب خانہ، لاہور

مختصر فہرست کتب!

(۱) تعلیم دینیات شیعہ کا جدید سلسلہ :- ہر عمر کے مردوں، عورتوں کے لئے یکساں مفید۔ آسان اور دلچسپ عبارت میں۔ تیار کردہ مولانا مرزا یوسف حسین صاحب۔ لکھنوی۔

	قاعدہ	پہلی	دوسری	تیسری
اصلی قیمت	۲ر	۳ر	۲ر	۴ر
رعایتی قیمت	×	×	×	×

چوتھی قیمت ۶ر - رعایتی ۵ر - پانچویں قیمت ۸ر رعایتی ۷ر

سلسلہ سیرت :- تیار کردہ سید احمد حسین ترمذی - بی۔ اے (آنرز) بی ٹی - مالک امامیہ کتب خانہ۔

(۲) ... زینب سلام اللہ علیہا۔ حجم سو صفحہ بار دوم اصلی قیمت ۴ر - رعایتی قیمت ۴ر

(۳) ... سجاد علیہ السلام حجم ۱۵۰ صفحہ قیمت ۶ر - رعایتی ۶ر

(۴) ... سیرت رسول صلعم۔ حجم ۱۵۰ صفحہ قیمت ۶ر - رعایتی ۶ر

(۵) شہدائے کربلا۔ تمام شہدائے کربلا کے مفصل حالات مولفہ مولانا مولوی قبلہ سید اظہر حسن زیدی و سید احمد حسین ترمذی۔ قیمت ۴ر رعایتی - ۴ر

(۶) سوانح عمری امام رضا علیہ السلام۔ تیار کردہ مولوی سید مظہر حسین صاحب قبلہ - تقطیع کلاں۔ حجم دو سو صفحہ۔ قیمت ۱۲ر رعایتی ۱۲ر

(۷) الحمیرا۔ اُم المومنین جناب عائشہ کی پوری سوانح حیات۔ قیمت ۱۰ر - رعایتی ۸ر

(۸) وفات عثمان - خلیفہ سوئم۔ حضرت عثمان کی وفات کے مکمل حالات (طبع ثانی) قیمت ۳ر - رعایتی ۳ر

(۹) آل عمران۔ آیہ آل عمران سے مراد حضرت ابوطالب ہیں مدلل عقلی و نقلی و ثبوت قرآنیہ۔ قیمت ۲ر - رعایتی ۲ر

کتب عبادات :-

(۱۰) اسلامی نماز۔ تیار کردہ قبلہ مولانا مولوی سید محمد سبطین سرسوی (لدھیانوی) قیمت ۱۲ر - رعایتی ۱۲ر

(۱۱) نماز امامیہ :- باترجمہ۔ معہ اصول دین وغیرہ و خطبات جمعہ و عیدین و تجہیز و تکفین وغیرہ۔ قیمت ۵ر - رعایتی ۵ر

(۱۲) ارسال الیدین :- نماز میں ہاتھ کھولنے باندھنے کا مکمل و مدلل فیصلہ طبع ثانی۔ قیمت ۸ر - رعایتی ۷ر

(۱۳) مسح رجلین :- پاؤں کا مسح مصدقہ قبلہ سید نجم الحسن علی اللہ مقامہ۔ قیمت ۴ر رعایتی ۴ر

(۱۴) مناجات :- منظوم۔ مولوی زین العابدین بخاری۔ بٹالوی۔ قیمت ۲ر - رعایتی ۲ر

(۱۵) اعجاز جعفری - منظوم از دلو رام کوثری قیمت ۲ر رعایتی ۲ر

(۱۶) مفتاح الفتح :- مجموعہ ادعیہ برائے مہمات دینی و دنیوی۔ مولفہ حاجی نواب سر فتح علیخاں قزلباش۔ قیمت ۱۲ر - رعایتی ۱۲ر

(۱۷) العقد :- نکاح۔ متعہ۔ طلاق خلع۔ تمام مسائل قیمت ۳ر - رعایتی

(۱۸) طریقۃ الصلوٰۃ معہ ترجمۃ الصلوٰۃ قیمت ۵ر - رعایتی ۵ر

کتب مناظرہ :-

(۱۹) نور ایمان۔ مناظرہ کی مشہور کتاب۔ قیمت مجلد ۱۲ر۔ رعایتی ۱۲ر - اور بلا جلد ۸ر - رعایتی ۸ر۔

(۲۰) معین المناظرہ۔ تمام اعتراضات و شبہات کا جواب قیمت اصلی ۱۲ر - رعایتی ۱۲ر

امامیہ مشن لکھنؤ کے محرم سے تعلق رکھنے والے رسالے

آپ کا یہ دینی و تبلیغی مشن ۱۹۳۲ء سے اب تک قائم ہے۔ اس دوران میں اس نے مختلف اہم موضوعات پر ۹۵ تبلیغی و دینی رسائل شائع کئے ہیں۔ یہ رسائل ملک کے زبردست اہل قلم حضرات و حضرت سید العلماء دام ظلہ سرپرست مشن کے زورِ قلم کے نتائج ہیں۔ یہ رسائل اردو، ہندی، انگریزی، گجراتی، سندھی، بنگالی زبانوں پر مشتمل ہیں۔ امید ہے کہ افراد ملت محرم کے موقع پر کم از کم قیمت والے رسائل کی دو دو چار چار ہی جلدیں خرید کر غیر اقوام میں تقسیم فرما کر حسینؑ کے اعلیٰ مقصد شہادت کو دنیا کے سامنے پیش فرمائیں گے۔ دیگر مطبوعات مشن و کتب بک ایجنسی کیلئے مفصل فہرست جلد طلب فرمائیے۔ ذیل میں صرف ان ہی رسائل کی فہرست درج ہے۔ جو ایام عزا میں تقسیم کرنے یا خود مطالعہ کرنے کے قابل ہیں۔

نمبر رسالہ	نام رسائل	قیمت	محصول	نمبر رسالہ	نام رسائل	قیمت	محصول
۱	قاتلان حسینؑ کا مذہب (اُردو)	۴ر	لـر	۷۰	اسیری اہل حرم (اُردو)	۱۰ر	ـــر
۵	حسینؑ اور اسلام (اُردو)	۱۰ر	ـــر	۷۱	دی مشن آف حسینؑ (انگریزی)	۱ر	ـــر
۸	" " " (ہندی)	لـر	ـــر	۷۵	مظلوم کربلا (اُردو)	۲ر	ـــر
۱۸	مجاہدہ کربلا (اُردو)	٢ر	ـــر	۷۶	دی مارٹرز آف کربلا۔ (انگریزی)	ـــر	ـــر
۲۰	دی مارٹیڈم آف حسینؑ (انگریزی)	٢ر	ـــر	۸۲	حسینؑ کا پیغام عالم انسانیت کے نام (گجراتی)	۲ر	ـــر
۲۱	اُسوہ حسینیؑ (اُردو)	۸ر	لـر	۸۳	" " " " " (سندھی)	۲ر	ـــر
۳۷	محاربہ کربلا (اُردو)	٢ر	ـــر	۸۴	" " " " " (ہندی)	۱۰ر	ـــر
۴۰	اثبات عزاداری (اُردو)	۴ر	لـر	۸۵	" " " " " (بنگالی)	۲ر	ـــر
۴۷	ذوالجناح (اُردو)	۰ر	ـــر		**بک ایجنسی کے رسائل و کتب**		
۴۸	شہدائے کربلا حصہ اوّل (اُردو)	٢ر	لـر	۲	قاتلان حسینؑ کی گرفتاری	۸ر	٢ر
۴۹	کربلا کا مہاسمر (ہندی)	٢ر	ـــر	۱۲	محافل مجالس چہاردہ معصومینؑ (مجلد)	عہ	۳ر
۵۰	حسین ان دی پلین آف کربلا۔ (انگریزی)	۱۰ر	ـــر	۲۳	ذاکری کی پہلی کتاب۔ حصہ اوّل (حبیب اللہ شاہ)	۵ر	۱ر
۵۱	شہید اعظم (اُردو)	لـر	ـــر	۲۴	" " " " حصہ دوم (" ")	۵ر	۱ر
۵۵	شہدائے کربلا حصہ دوم (اُردو)	۵ر	لـر	۲۹	ہدیہ آصفیہ	۳ر	۱ر
۵۶	حسینؑ کا پیغام عالم انسانیت کے نام (اُردو)	۱ر	ـــر	۳۱	تاریخ حسینیؑ (اردو)	۹ر	۱۰ر
۶۳	شہدائے کربلا حصہ سوم (اُردو)	٢ر	۱ر	۳۲	ذاکری کی دوسری کتاب۔ (حصہ اول)	۸ر	۱۰ر
۶۵	دی لاسٹ میسیج آف حسین (انگریزی)	۲ر	ـــر	۳۳	مقدمہ تفسیر قرآن	عہ	۴ر

نوٹ: لکھنؤ میں ملنے والی ہر کتاب مشن کے ذریعہ طلب فرمائیے۔ ملنے کا پتہ: سکریٹری امامیہ مشن (رجسٹرڈ) پل شتماس۔ لکھنؤ۔

عورت کی قیمت

(ایک ہندوستانی عورت کا نقطۂ نظر)

ہندوستان کے مرد کی قیمت تو سماج نے خود مقرر کردی۔ وہ عورت کا حاکم ہوگیا۔ اور اسے ہر قسم کا اختیار بھی مل گیا۔ وجہ یہ تھی کہ سماج کی لگام مرد کے ہاتھ میں تھی۔ اس نے جدھر گھمانا چاہا۔ سماج گھوم گیا اسی لئے مرد نے سوسائٹی میں اپنے لئے پوزیشن حاصل کرلی۔ اور وہ خود ساختہ حاکم بن بیٹھا۔

مگر بیچاری عورت ــــ دیکھتی رہ گئی۔ کچھ نہ کرسکی۔ اس کی قسمت کا فیصلہ مرد کے ہاتھ تھا۔ خودغرض مرد کے ہاتھ ــ جس نے من مانی اسمبلی میں جو چاہا کر ڈالا۔ عورت کو جتنا گرا سکا گرایا۔ اور غریب عورت کو اس خود ساختہ حالت میں کچھ کہنے کا موقعہ بھی نہ دیا۔ نتیجہ یہ نکلا۔ کہ عورت "بچہ بنانے کی فیکٹری" اور مرد کے مال اسباب کی چوکیدار بن کر رہ گئی۔ اسے اپنی زندگی پر بھی کوئی اختیار نہ رہا۔ وہ بھی سماج نے مرد کی ملکیت قرار دیدی۔ اور ان سب باتوں کا انجام یہ ہوا۔ کہ مرد اپنی خودمختاری کے زعم میں عورت کے دکھ درد سے بھی لاپرواہ ہوگیا۔

ہندوستانی عورت نے یہاں بھی صبر سے کام لیا۔ اور دنیا کو دکھا دیا۔ کہ مشرقی عورت صبر کی دیوی ہے۔ برداشت کا ایک مجسمہ ہے جو شوہر کے ظلم وستم اور قیدوبند کے باوجود مرد کیلئے ہر حال میں راحت کا سبب بنی رہتی ہے۔ اور اتنی حق تلفیوں کے باوجود وہ حرف شکایت زبان پر نہیں لاتی۔ لیکن ان قربانیوں پر بھی وہ تکلیف کا شکار بنی رہتی ہے۔ آج کتنے گھرانے ایسے دکھائے جاسکتے ہیں۔ جہاں کی عورتیں خوش وخرم ہوں اور تندرست بھی ہوں۔ میرا جواب یہ ہے کہ ہندوستان کے ہر گھر میں جہاں عورتیں رہتی ہوں۔ ایک خاص افسوسناک وقت ضرور آتا ہوگا۔ جب کوئی عورت تڑپ رہی ہو۔ اور اس کا مرد تفریح کے لئے جلسے کی تیاری کررہا ہو۔

ہندوستان کی اسّی فیصدی جوان عورتیں ماہواری کی بیماریوں میں مبتلا ہیں اور انہیں ہر مہینہ کئی کئی دن سخت درد اور بے چینی کے ساتھ کاٹنے پڑتے ہیں۔ مگر کتنے مرد ہیں۔ جو اپنی عورت کی اس تکلیف پر اس سے ہمدردی کا اظہار کرتے ہوں؟۔ حالانکہ وہ اگر چاہیں۔ تو چند پیسے خرچ کرکے عورت کو اس تکلیف دہ بیماری سے نجات دلا سکتے ہیں۔ اگر کسی عورت کو ماہواری تکلیف سے آتی ہو یا زیادہ یا کم یا رک رک کر آتی ہو یا بہت درد کے ساتھ ہوتی ہو۔ اور ان دنوں میں اسکی کمر پیٹ اور پنڈلیوں وغیرہ میں درد ہوتا ہو تو اسکا بہت آسان علاج ہے۔ ایسی بیمار عورت کو صرف ایک شیشی دوا **کورس** کھلا دینے سے ماہواری ایام بالکل آسانی کے ساتھ ہر ماہ بغیر کسی درد کے صحیح مقدار میں باقاعدہ ہونے لگتے ہیں اور ماہواری کی ہر خرابی دور ہوکر ہر مہینہ باقاعدگی کے ساتھ آنے لگتی ہے۔ یہ دوا جس کا نام "کورس" ہے

لیڈی ڈاکٹر زنانہ دواخانہ آر ایس بی ۲۴ دہلی

کے پتہ پر خط لکھکر بذریعہ وی۔پی پارسل منگائی جاسکتی ہے۔ ایک ہی شیشی سے عورت کی ماہواری کی سب خرابیاں ٹھیک ہوجاتی ہیں۔ ایک شیشی کورس کی قیمت دو روپے آٹھ آنے ہے۔ خط لکھکر منگالینی چاہیئے محصول پارسل پر صرف نو آنے خرچ ہوں گے۔ اور اس طرح معمولی سی رقم سے آپ کی بے زبان عورت ہر ماہ کی مصیبت سے نجات حاصل کرے گی۔ اور پھر ہر مہینہ باقاعدہ بغیر درد اور تکلیف کے ماہواری سے فارغ ہوجایا کرے گی۔

یہ دوا تقریباً پندرہ سال سے ہندوستان میں مشہور ہے۔ اور اب تو لاتعداد حکیم اور ڈاکٹر اپنی مریض عورتوں پر صرف اسی دوا کو استعمال کراتے ہیں۔ کیونکہ اس کی صرف ایک شیشی سے ماہواری باقاعدہ آنے لگتی ہے۔ اور درد وغیرہ اور بے قاعدگی کی تمام تکالیف ختم ہوجاتی ہیں۔

ٹیلیفون نمبر ۲۲۶۹

جنگ کے بعد.....
کیا کیجیے گا؟

جنگ ختم ہونے کے بعد آپ کیا کرنا چاہتے ؟ اس وقت
جن لوگوں کے پاس روپیہ جمع ہوگا انھیں بہت سے عمدہ عمدہ موقعے ملیں گے
ان کو اب سے بہتر کام ملجانے سستے دام پر اچھی چیزیں خریدنے
کم قیمت پر مکان بنوانے یا محنت کے بعد آرام پانے کے موقعے
حاصل ہونگے جب تقریباً ہر چیز آگ کے مول ہو تو ہر سمجھدار
آدمی کو ہاتھ روک کر صرف ضروریات پر خرچ کرنا چاہیئے
اس طرح جو کچھ بچے وہ اس وقت کام آئے گا
جب قیمتیں گر جائیں گی۔ آج ہی سے کفایت
شروع کر دیجئے۔

آئندہ کے لئے

بچایئے

چار آنے
روز بچایئے

بچت کرنا ایک دفعہ شروع
کرنے کے بعد بڑا آسان ہوجاتا
ہے چار آنے روز یا ہو سکے تو اس سے
زیادہ منڈی میں ڈالنے کی کوشش کیجئے
اس بچائی ہوئی رقم کو نیچے لکھی ہوئی
محفوظ مدوں میں
برابر لگاتے رہیئے

اس بات کا اطمینان کر لیجیے کہ آپ کا بچایا
ہوا روپیہ محفوظ جگہ لگا ہوا ہے۔ سونے۔ چاندی
جواہرات۔ زمین۔ مکان یا سامان خرید کر ڈال
لینے سے کوئی فائدہ نہیں کیونکہ ان چیزوں کے
دام جو آجکل بے انتہا بڑھے ہوئے ہیں آئندہ
چلکر کم ہو سکتے ہیں اور انمیں لگائی ہوئی رقم کا بڑا
حصہ ڈوب سکتا ہے۔ اگر آپ اس طرح رقم لگانا چاہیں کہ
وہ محفوظ بھی رہے اور آئندہ اسکی مالیت بھی کم نہ ہونے پائے تو
اسے ڈیفنس لون اور بیمہ۔ بینک کے سیونگ کھاتے یا پوسٹ آفس
سیونگ بینک میں لگایئے۔ اگر آپ ان سے بھی اچھی جگہ
روپیہ لگانا چاہیں تو سرکاری قرضوں اور سیونگ سرٹیفکٹوں میں لگایئے

قوم کے لئے قومی جنگی محاذ کی اپیل

جانفزا کا خوشگوار موسم آگیا۔ مردہ دلوں میں بھی اُمنگیں اور جولانیاں پیدا ہونے لگیں۔ مایوسوں اور نامرادوں میں بھی زندگی کی لہر دوڑنے لگی۔ لیکن آپ پھر بھی مضمحل نظر آرہے ہیں۔ کیوں ...... ؟ کیا وجہ کہ یہ موسم گذرا جا رہا ہے۔ اور آپ کی جوانی کے باغ میں خزاں کا دور دورہ ہے۔ مت گھبرایئے ہم مکمل اور مثر لیہ علاج کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ایکمرتبہ ضرور تجربہ کیجئے۔

نکسول NIXOL

یہ گولیاں مردوں اور عورتوں دونوں کیلئے یکساں مفید ہیں۔ یہ حلق سے اُترتے ہی کیمیا کی طرح اپنا اثر دکھاتی ہیں۔ ان گولیوں کو استعمال کرنے سے بوڑھے جوان، جوان نوجوان بن جاتے ہیں۔ یہ گولیاں نہیں جوانی کا بیمہ ہیں۔ مردوں کے جریان، احتلام، سستی و نامردی کیلئے روپہلی گولیاں ہیں۔ اور عورتوں میں ماہواری کی جملہ خرابیاں، سفید رطوبت کا آنا اور تمام کمزوری کے لئے سنہری گولیاں نہایت مفید ثابت ہوئی ہیں۔ قیمت بڑی شیشی آٹھ روپے۔ چھوٹی شیشی تین روپے چار آنے۔ (دیکھئے)

اسپیشل نکسول SPECIAL NIXOL

یہ دوا نہیں جادو ہے۔ صرف وہ لوگ استعمال کریں جو شادی شدہ ہیں۔ دوسرے لوگ ان کی طاقت سہار نہیں سکتے۔ یہ گولیاں فوری لیکن دیرپا اثر کرتی ہیں۔ ان کو استعمال کرنے کے بعد کسی دوا کی ضرورت نہیں رہتی۔ قیمت بڑی شیشی پچیس روپے۔ چھوٹی شیشی بارہ روپے آٹھ آنے۔ ہر انگریزی دواخانہ سے طلب کریں۔ یا بہم راہ راست

سول ایجنٹ: نیشن اینڈ ایلیس پراسپکٹ چیمبرس ایلیکس ہارن بی روڈ۔ بمبئی

نوٹ:۔ مذکورہ بالا پتہ آپ نوٹ کر لیجئے۔ ممکن ہے آج ان دواؤں کی آپکو ضرورت نہ ہو لیکن کل پیش آجائے

ایک خدا رسیدہ درویش کی عطا کردہ ——— بارہا کی مجرب و کامیاب دوائی

بفضلِ خدا شرطیہ لڑکا پیدا ہوگا

وہ مائیں جو اولادِ نرینہ سے محروم ہوں۔ ایام حمل میں تین ماہ کے اندر اندر استعمال کریں۔

قیمت معہ محصول ڈاک صرف تین روپے۔ انصاری دار الصحت مہت پور ڈاکخانہ خاص تحصیل نکودر ضلع جالندھر

حبّ پارہ جوہری
یا
کرشمۂ قدرت

ہر عمر، ہر موسم، ہر آب وہوا میں، مرد، عورت، بوڑھا، بچہ، جوان سب کے لیے مفید ہے۔ کسی کو نقصان نہیں دیتی، دماغی کام کرنے والوں کے لیے اکسیر ہے۔

دل ودماغ، جگر، معدہ، گردہ ومثانہ کو قوت دیتی ہے، رگ پٹھوں کو مضبوط کرتی ہے، قوت ہاضمہ کو درست کرکے خون صالح پیدا کرتی ہے اور جسم کا وزن بڑھاتی ہے۔ سستی، کاہلی، چہرہ کی بدرونقی دور کرتی ہے۔ گھی دودھ بخوبی ہضم کرکے مردانہ طاقتوں (باہ وامساک) میں دن دونی رات چوگنی ترقی دیتی ہے۔ دائمی قبض، دردِ سر، نزلہ زکام، کھانسی وغیرہ تمام بیماریوں سے محفوظ رکھتی ہے۔

صرف ایک گولی عمر بھر اور گھر بھر کے لیے کافی ہے۔

قیمت فی گولی دس روپیہ مع محصول ڈاک جو بذریعہ منی آرڈر پیشگی آنے چاہئیں۔

ترکیب استعمال

خوب گرم خالص دودھ کسی دھات، چینی، تام چینی، یا شیشہ کے برتن میں ڈال کر گولی کو دس منٹ اس میں رکھ کر دودھ نوش کرلیجیے۔ اور گولی دھو کر بحفاظت رکھ چھوڑیے۔ اس طرح آپ چاہیں تو دس آدمی ایک ہی گولی سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ گولی کھانے اور ختم ہو جانے کی چیز نہیں ہے۔

واپسی کی شرط:۔ تین چالیس روز باقاعدہ اور مسلسل استعمال کے بعد بھی اگر آپ کوئی فائدہ محسوس نہ کریں تو بے تکلف ہماری گولی واپس کرکے اپنی قیمت منگا لیں۔ [illegible] لیے کہ ہماری حبّ پارہ جوہری معمولی بازاری اشتہاری سستی اور نقلی چیز نہیں ہے۔ بلکہ نہایت معتبر ومستند اور مجرب نسخہ کے موافق کیاب جڑی بوٹیوں سے قیمتی اجزا ملاکر بڑی محنت سے ایک کہنہ مشق ماہر فن کی نگرانی میں تیار کی جاتی ہے۔ اسی لیے نہایت کارآمد اور باثر ہے۔

معاملہ کی بات۔ ہم دواؤں کو بذریعہ وی۔پی روانہ نہیں کرتے اس لیے فرمائش کے ساتھ پوری پوری قیمت کا منی آرڈر کر دیجیے جس کی وصولی پر ہم محصول ڈاک اپنے پاس سے لگاکر رجسٹری شدہ پارسل روانہ کر دیں گے۔

چند دیگر مجرّبات

عودِ شباب:۔ وہ اسم بامسمیٰ کھانے کی گولیاں ہیں جن کے استعمال سے آپ کی پندرہ برس پہلے والی قوتِ مردمی پلٹ آئے گی صرف پچاس سے زیادہ عمر والے حضرات استعمال کرسکتے ہیں۔

قیمت چالیس خوراک دس روپئے۔

لطفِ شباب:۔ جوانی کے مزے لوٹنے اور اُسے برقرار رکھنے کے لیے ان گولیوں کا استعمال کیجیے۔ ان گولیوں کے استعمال میں عمر کی کوئی قید نہیں۔ قیمت قسم اول چالیس خوراک پانچ روپئے قسم دوم (چالیس خوراک) صرف ڈھائی روپئے۔

امساک:۔ اس میں کوئی نشہ آور یا مضر چیز شامل نہیں قطعی بے ضرر اور زود اثر ہے۔ قیمت دس دفعہ کے لیے [illegible] ڈھائی روپئے

لذت:۔ بے خطا۔ بے ضرر۔ تیر بہدف۔ فریقین کی لطف اندوزی پوری ہونے کا واحد ذریعہ۔ دس مرتبہ کے استعمال کے لیے قیمت ڈھائی روپئے۔

جوہری سُرمہ:۔ رفتہ رفتہ عینک چھڑا دیتا ہے۔ قیمت [illegible]

طلاء جوہری:۔ شباب کی امنگوں سے بے چین رکھتا ہے۔ قیمت [illegible]

نوٹ:۔ مکرر گزارش ہے کہ وی پی کے ذریعہ کوئی دوا ہرگز نہ بھیجی جائے گی۔

ملنے کا پتہ

حاجی سید ظفر یاب علی جوہر جوہر اینڈ کمپنی چتلی قبر دہلی

حضرت خطیب اعظم مولوی سید محمد صاحب قبلہ دہلوی مدظلہ نے حبّ پارہ کو خود استعمال فرماکر اس کے اکثر فوائد کی تصدیق فرمادی ہے۔

ہماری قومی دُنیا

ضروری اعلان :۔ مولانا سید محمد رضی صاحب قبلہ ۷ جنوری صبح ۹ بجکر ۴۰ منٹ پر ریڈیو اسٹیشن لکھنؤ سے تقریر براڈ کاسٹ فرمائیں گے۔ مومنین مطلع رہیں۔

سامانہ (ریاست پٹیالہ) میں حسینؑ کے خون ناحق کا اثر | قصبہ سامانہ میں حسینیؑ شہادت کا زندہ معجزہ آج بھی حسینؑ مظلوم کی صداقت اور بے گناہی کا ثبوت دے رہا ہے۔ یہاں دو تسبیحیں ایسی ہیں۔ جو بروز عشرہ سُرخ ہو جاتی ہیں۔ لوگ ہزاروں کی تعداد میں ان کی زیارت کرتے ہیں۔ جو مومنین ان تسبیحوں کی زیارت کرنا چاہیں۔ وہ ۹ محرم الحرام تک یہاں پہنچ جائیں۔ پٹیالہ ریلوے سٹیشن سے سامانہ تک موٹر لاری کا سلسلہ ہے۔

خادم قوم :۔ سیّد ذاکر حسین رضوی سامانہ

جلال آباد سٹیٹ میں عزاخانہ امام مظلوم :۔ انجمن حسینیہ جلال آباد ایک امام باڑہ کی تعمیر کے لئے کوشاں ہے۔ مخیر حضرات اس کار خیر میں حصہ لے کر ثواب دارین حاصل کریں

خادم قوم :۔ سید بشیر حسین زیدی سیکرٹری انجمن حسینیہ جلال آباد سٹیٹ ۔ ضلع فیروزپور۔

التماس دُعا۔ سید دلبر حسن صاحب مسعود ابھی تک صاحب فراش ہیں۔ اور ان کی بیماری طول پکڑتی جا رہی ہے۔ قارئین کرام کی خدمت میں مؤدبانہ التماس ہے۔ کہ وہ مسعود صاحب کے لئے خلوص دل سے دعا فرمائیں۔ کہ اللہ تعالٰے انہیں جلد از جلد صحت کلی عطا فرمائے۔ (ادارہ)

ضروری اعلان :۔ شیعیان پنجاب کی اطلاع کے لئے اعلان کیا جاتا ہے۔ کہ جملہ خط و کتابت بنام صدر پنجاب شیعہ پولیٹیکل کانفرنس نواب پیلیس لاہور کے پتہ پر ہونی چاہیئے۔ اور سیکرٹری صاحب کے نام کی خط و کتابت مندرجہ ذیل پتہ پر ہونی چاہیئے۔ سید محسن ۔ آنریری جنرل سیکرٹری پنجاب شیعہ پولیٹیکل کانفرنس ۔ فیروزپور شہر۔

مجالس محرم الحرام :۔ مومنین لاہور کی اطلاع کے لئے یہ اعلان کیا جاتا ہے۔ کہ یکم تا ۱۰ محرم الحرام سے ہر شب بوقت ۸ بجے سے ۹ بجے شب تک بر مکان جناب میر سید ارشاد علی شاہ صاحب ریڈر ہائیکورٹ لاہور واقعہ سعدی پارک نزد مزار شیخ سعدی مجلس عزا ہوا کرے گی۔ جس میں عمدۃ الواعظین جناب مولانا سید رضی عباس صاحب قبلہ مبلغ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ بیان فرمایا کریں گے۔ (نامہ نگار)

علاقہ ماجھہ میں عزاداری سید الشہداء :۔ کو فروغ دینے کے لئے جناب سید عباس علی شاہ صاحب ہیڈ کانسٹیبل تھانہ کھالڑہ (ضلع لاہور) جو جدوجہد فرما رہے ہیں۔ وہ قابل صد تحسین ہے۔ آپ نے کھالڑہ میں ایک امام باڑہ بھی تعمیر کر رہے ہیں۔ اور اس سلسلہ میں امداد کی ضرورت ہے۔ لہٰذا مومنین کی خدمت میں التماس ہے۔ کہ وہ اس کار خیر میں حصہ لے کر ثواب دارین حاصل کریں۔ پتہ۔ سید عباس علی شاہ متولی امام باڑہ کھالڑہ ۔ ضلع لاہور۔

ایک مومنہ کی شفایابی کیلئے التماس دعا :۔ نواب مخدوم مرید حسینؒ صاحب قریشی بالقابہ آف ملتان کی اہلیہ محترمہ جنہوں نے اپنی زندگی کا کثیر حصہ تبلیغ مذہب حقہ و ترویج عزاداری حضرت سید الشہداء و خبرگیری مساکین و یتامیٰ میں گذارا ہے عرصہ سے سخت علیل ہیں۔ تمام عزاداران حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں التماس ہے۔ کہ ممدوحہ کی دینی خدمات کے پیش نظر اوقات دعا میں ان کی صحت و سلامتی کے لئے دعا فرمائیں۔ بعید از عنایت نہ ہوگا۔

احقر العباد ۔ ابوالغضنفر حسین بخش ہمدانی ۔ ڈویژنل سیکرٹری پنجاب شیعہ کانفرنس ملتان شہر۔

زوار خانہ قومی کوئٹہ: سالتر مومنین کرام اس امر سے واقف ہیں۔ کہ گذشتہ دو سال سے زوار خانہ قومی کوئٹہ کی تعمیر کا کام شروع ہے۔ چنانچہ اس وقت تک زیر تعمیر عمارت کے کمرہ جات کی چھتیں اور چار دیواری وغیرہ کا کام مکمل ہو چکا ہے۔ لیکن برآمدہ اور بقایا کام کی تکمیل کے لئے روپیہ کی اشد ضرورت ہے۔ چونکہ محرم الحرام کا مہینہ ہم سب سے ایثار اور قربانی کے عملی مظاہرے کا بہترین موقعہ ہے۔ لہٰذا ارباب ملت کی خدمت میں التماس ہے کہ براہ کرم حسب توفیق اس کار خیر میں امداد فرما کر ثواب دارین حاصل فرمائیں۔ الداعی الخیر آنریری سیکرٹری

ینگ مسلم شیعہ ایسوسی ایشن کوئٹہ

نئی دہلی کا جلوس ذوالجناح: ۔ نئی دہلی ۹ محرم کو ذوالجناح کا جلوس بعد مغرب امامیہ ہال سے برآمد ہوگا۔ حسب دستور بلند آوازہ جلوس کے ہمراہ ہوں گے۔ تاکہ حسینؑ کا پیغام اژدحام کثیر کے باوجود ہر ایک کان میں پہنچ سکے۔ یہ اپنی شان کا واحد جلوس ہوتا ہے غیر شیعہ اور غیر مسلم حضرات بھی اس میں مقرر اور شاعر کی حیثیتوں سے شریک ہوتے ہیں۔ شرکا کی ریل پیل اور بعض حضرات کی تقریریں کرنے اور نظمیں پڑھنے کی وقتی خواہش انتظام میں خاصی دشواریاں پیدا کر دیتی ہے۔ اگر یا تم دار حلقہ (حرخو) تقریر کرنے اور نظم پڑھنے کے طالب حضرات وقت سے قبل نواب سید احمد مرزا صاحب موسوی آنریری جنرل سیکرٹری انجمن اثنا عشریہ ۱۹۰ راؤز ایوینیو نئی دہلی سے ملاقات یا خط و کتابت کر لیں۔ تو وہ خود موقعہ نہ ملنے کی مایوسی سے اور انجمن انتظامی